ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

مئی May 2023 جلد: 6: Vol شمارہ: Issue:63

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابو ہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/-امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشاد الحق مدنی
مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی
ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔
مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی
ابو ہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	وحدتِ اُمت	حضرت مولانا مفتی شفیع	۷
۴	قرآن کا تعارف	مولوی حبیب الرحمٰن	۸
۵	اصلاح تمدن (علامہ شبلی کی نو دریافت تقریر)	ڈاکٹر الیاس الاعظمی	۱۱
۶	اسوان: زرکی سرزمین	ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی	۱۴
۷	غزل	پروفیسر مظفر علی شہ میری	۱۶
۸	مولانا شبلی پر ایک نظر (مقالات شبلی کے چند گوشے)	ڈاکٹر لبنا کاشمیری	۱۷
۹	مولانا عبدالعلیم اصلاحی صاحبؒ - کچھ یادیں، کچھ باتیں	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۲۰
۱۰	عالمی اضطراب، اُسوۂ حسنہ سے دوری کا نتیجہ ہے	ڈاکٹر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی	۲۶
۱۱	رپورتاژ	ڈاکٹر محمد ناظم علی	۲۹
۱۲	غزل	سیدہ تبسم	۳۳
۱۳	نیا تعلیمی سال (مفید نتائج کے لیے چند مشورے)	امداد الحق بختیار قاسمی	۳۴
۱۴	نعت رسول مقبول ﷺ	شاعر خلیج جلیل نظامی	۳۷
۱۵	غزل	رہبر پرتاپ گڑھی	۳۸
۱۶	رپورٹ	ابورشید	۳۸
۱۷	جہان شبلی کی نئی جہت: اثرات شبلی اول دوم	مبصر: اسامہ ارشاد معروفی قاسمی	۳۹

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب ابوسفیان اعظمی، مقیم حال ممبئی

جناب محمد یوسف بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی محمد فاروق قاسمی، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر سید جلیل حسین ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا منصور احمد قاسمی، معین آباد، تلنگانہ

الحاج رئیس احمد اقبال، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج محمد زکریا انجینئر (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر شہباز احمد، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا محمد عبدالقادر سعود، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج محمد قمرالدین، نیبل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج محمد عبدالکریم، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

ماہِ مئی میں گرمی پورے شباب پر رہتی ہے، ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہے مائے بارد ''نعمتِ الٰہی است'' یعنی ٹھنڈا پانی اللہ رب العزت کی بڑی نعمت ہے، اُس کا احساس موسم گرما میں وہی کرسکتا ہے جس نے سخت دھوپ اور پیاس کی حالت میں اپنے حلق سے اسے اُتار رہا ہو۔ صاف پانی اور پانی کی باتیں تو سبھی حکومتیں کرتی ہیں مگر آج بھی بہت سارے علاقوں میں لوگ بوند بوند ترس رہے ہیں یا اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پانی کا بزنس بہت عروج پر ہے، سفر وحضر میں اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ چیز جو عام اور مفت ہوتی تھی وہ خاص اور قیمت گراں میں تبدیل ہوگئی ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ پانی کے مراحل میں عوام کو زیادہ سے زیادہ سہولت فراہم کرے۔

مسلمانوں کے لئے کوئی مہینہ اور کوئی وقت بے مقصد نہیں ہے، اس وجہ سے گرمائی تعطیلات میں ہر بڑے چھوٹے پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے وقت کو کیسے مصروف کریں؟ بڑوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں اور چھوٹے بھائی بہنوں سے دوستی کرلیں، باتوں باتوں میں اخلاق، طریقۂ عبادات اور طریقۂ تجارت بتائیں، ایمانداری اور سچائی سے روشناس کرائیں، کامیاب اور ناکام تجربوں کو واقعات یا شخصیات کی روشنی میں پیش کریں، کیسے کامیاب تجربہ کامیاب ہوا اور کیسے ناکامی میں کامیابی کے دروازے پر دستک دی جاسکتی ہے یہ ساری باتیں بڑے چھوٹے کو بتانے کی کوشش کریں۔ کیوں کہ مچھلی دینا کمال نہیں ہے مچھلی پکڑنے کا ڈھنگ اور طریقہ بتانا بڑا کمال ہے۔ بڑے موبائل میں اچھی چیز اور اچھے پروگرام کو دیکھیں اور اپنے ساتھ بچوں کو بٹھا کر دکھائیں اور بتانے کی کوشش کریں کہ کوئی چیز خراب نہیں ہوتی اگر اُس کا صحیح استعمال کیا جائے تو وہی چیز تمہاری دنیاوی اور اُخروی ترقی کا زینہ ثابت ہوگی۔

ہندوستانی سیاست کا طریقۂ کار دیگر ملکوں سے مختلف ہے۔ کیوں کہ اکثر ہندوستانی سیاست ذات پات، مذہب اور علاقے کی بنیاد پر مبنی ہوتی ہے اور دیگر ملکوں کی سیاست سماجی صلاح وفلاح پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان کے سیاستدانوں کو اپنی سیاست کے رخ اور طریقۂ کار کو بدلنا چاہیے، کیوں کہ موجودہ طریقے سے اکثر آدمی ملک میں کشمکش کی زندگی گزار رہے ہیں بالخصوص اقلیتوں کے ساتھ بُرا سلوک ہورہا ہے، ان پر مظالم ڈھائے جارہے ہیں، ان کی ترقی کے راہوں کو مسدود کیا جارہا ہے، یہ دانش مندی نہیں ہے بلکہ ہمارے ملک ہندوستان کی ترقی کی سب سے بڑی رکاوٹ کا ذریعہ ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ خود کنواں کھودنا ہے اور خود ہی پانی نکالنا ہے، بقول شاعر۔

باغبانوں کے بھروسے پہ رہو گے کب تک
تم کو اپنے گلزار کے منظر کو بدلنا ہوگا

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر انتظام مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم اور مسجد الٰہی کی تعمیر وترقی میں جن لوگوں نے رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں تعاون کیا ہے ادارہ سبھی معاونین کا شکریہ ادا کرتا ہے، امید قوی ہے کہ آپ حضرات کا تعاون جاری رہے گا۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ: کفار کے ساتھ آپ ﷺ کے حسنِ خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہیں، مورخینِ یورپ مدعی ہیں کہ یہ اس وقت کے واقعات ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا اور مجاملت اور لطف وآشتی کے سوا چارہ نہ تھا، اس لیے ہم اس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات نقل کریں گے جو اس زمانہ کے ہیں، جب کہ مخالفین کی قوتیں پامال ہو چکی تھیں اور آنحضرت ﷺ کو پورا اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔ ابو بصرہ غفاری کا بیان ہے کہ جب وہ کافر تھے، مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آکر مہمان رہے، رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے لیکن آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا، رات بھر تمام اہل بیتِ نبوی ﷺ بھوکا رہا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں، شب کو ایک کافر آنحضرت ﷺ کا مہمان ہوا، آپ ﷺ نے بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا، وہ پی گیا، پھر دوسری بکری دوہی گئی، وہ دودھ بھی بے تامل پی گیا، پھر تیسری، پھر چوتھی، یہاں تک کہ سات بکریاں دوہی گئیں اور وہ سب دودھ پیتا گیا، آنحضرت ﷺ نے کوئی تنغص ظاہر نہ فرمایا، شاید اسی حسن اخلاق کا اثر تھا کہ وہ صبح کو مسلمان تھا اور صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہو گیا۔

حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ان کی ماں جو مشرکہ تھیں، اعانت خواہ، مدینہ حضرت اسماءؓ کے پاس آئیں، ان کو خیال ہوا کہ اہلِ شرک کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، آنحضرت ﷺ کے پاس آکر دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا ''ان کے ساتھ نیکی کرو'' حضرت ابو ہریرہؓ کی ماں کافرہ تھیں اور بیٹے کے ساتھ مدینہ میں رہتی تھیں، جہالت سے آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتی تھیں، ابو ہریرہؓ نے خدمتِ اقدس میں عرض کی، آپ ﷺ نے بجائے غیظ وغضب کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

آنحضرت ﷺ کے گھر کا تمام کاروبار حضرت بلالؓ کے سپرد تھا، روپیہ پیسہ جو کچھ آتا تھا، ان کے پاس رہتا، ناداری کی حالت میں وہ بازار سے سودا سلف قرض لاتے اور جب کہیں سے کوئی رقم آجاتی تو اس سے ادا کر دیا کرتے، ایک دفعہ بازار جا رہے تھے، ایک مشرک نے دیکھا، ان سے کہا تم قرض لیتے ہو مجھ سے لیا کرو، انھوں نے قبول کیا، ایک دن اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سوداگروں کے ساتھ آیا اور ان سے کہا ''او حبشی!'' انھوں نے اس بدتہذیبی کے جواب میں ''لبیک'' کہا، بولا'' کچھ خبر ہے؟ وعدہ کے صرف چار دن رہ گئے ہیں، تم نے اس مدت میں قرضہ ادا نہ کیا تو تم سے بکریاں چرواکے چھوڑوں گا'' یہ عشا پڑھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور سارا حال بیان کر کے کہا کہ خزانہ میں کچھ نہیں ہے، کل وہ مشرک آکر مجھ کو فضیحت کرے گا، اس لیے مجھ کو اجازت ہو کہ میں کہیں نکل جاؤں، پھر جب قرضہ ادا کرنے کا سامان ہو جائے گا، تو واپس آجاؤں گا، غرض رات کو جاکر سو رہے اور سامان سفر یعنی تھیلا، جوتی، ڈھال، سر کے نیچے رکھ لی، صبح اٹھ کر سفر کا سامان کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہا، آنحضرت ﷺ نے یاد فرمایا ہے، یہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے دروازے پر کھڑے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، مبارک ہو، یہ اونٹ رئیسِ فدک کے بھیجے ہوئے ہیں، انہوں نے بازار میں جاکر سب چیزیں فروخت کیں اور مشرک کا قرضہ ادا کر کے مسجد نبویؐ میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ سارا قرضہ ادا ہو گیا۔

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۲۹۰-۲۹۱)

وحدتِ اُمت

مفتی محمد شفیع مرحوم ومغفور فرماتے ہیں کہ میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ کی خدمت میں ایک دن نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت غمزدہ بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا ''مزاج کیسے ہیں؟'' انہوں نے کہا کہ ہاں! ٹھیک ہیں میاں! مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کردی۔۔۔۔میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں اور دین کی اشاعت میں گزری ہے۔ ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی تو حضرت نے فرمایا کہ ''میں تمہیں صحیح کہتا ہوں کہ اپنی عمر ضائع کردی!'' میں نے عرض کیا کہ حضرت اصل بات کیا ہے؟ فرمایا ''ہماری عمروں کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کوششوں کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلکوں پر اپنے مسلک کی ترجیح قائم کردیں۔ اپنے مسلک کے مسائل کے دلائل تلاش کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا! ۔۔۔۔اب غور کرتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی! پھر فرمایا ''ارے میاں اس بات کا کہ کون سا مسلک صحیح تھا اور کون سا خطا پر، اس کا راز تو کہیں حشر میں بھی نہیں کھلے گا اور نہ دنیا میں اس کا فیصلہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی قبر میں منکر نکیر پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ (نماز میں) آمین زور سے کہنا حق تھا یا آہستہ کہنا حق تھا، برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا، روز محشر اللہ تعالیٰ نہ امام شافعی رحمۃ اللہ کو رسوا کرے گا نہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کو، نہ امام مالک رحمۃ اللہ کو اور نہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کو۔۔۔۔اور نہ میدانِ حشر میں کھڑا کرکے یہ معلوم کرے گا کہ کس امام نے صحیح کہا تھا اور کس نے غلط کہا تھا، ایسا نہیں ہوگا۔

''تو جس چیز کا نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے، نہ برزخ میں، نہ محشر میں۔ اس کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کردی اور جو ''صحیح اسلام'' کی دعوت تھی، جو سب کے نزدیک مجمع علیہ اور وہ مسائل جو سب کے نزدیک متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرام علیہ السلام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا، وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج اس کی دعوت ہی نہیں دی جارہی، یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہورہی ہیں اور اغیار سبھی دین کے چہرے مسخ کررہے ہیں اور منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہئے تھا، وہ پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آرہا ہے، شرک اور بت پرستی چلی آرہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی وفروعی بحثوں میں!۔۔۔۔۔۔۔اس لئے غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کررہا ہوں کہ عمر ضائع کردی۔

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

قرآن کا تعارف

خالقِ فطرت نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنے تمام بندوں کی ہدایت کے لئے علم و عمل، حکمت و دانائی کی جو روشنی عطا فرمائی ہے اس کا نام ''القرآن'' ہے۔ قرآن کتاب اللہ ہے، کلام اللہ ہے، اس کے الفاظ اور جملوں کی ترتیب اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی ہے، خالقِ فطرت نے اس کتاب کو جن الفاظ میں نازل فرمایا بعینہٖ ان ہی الفاظ میں یہ کتاب لکھی ہوئی ہے۔

ایک ایسا واقعہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا یہ ہے کہ آج دنیا میں صرف یہی کتاب ہے کہ جس زبان ''عربی'' میں نازل ہوئی ہے بجنسہٖ وہ اسی زبان میں محفوظ ہے اور اس کتاب کی زبان آج بھی علمی و کاروباری حیثیت سے کسی ایک ملک میں نہیں بلکہ دنیا کے مختلف خطوں میں رائج ہے۔ آج اس آب و تاب کی کوئی کتاب دنیا میں نہیں۔ اس کتاب کا اندازِ بیان شروع سے آخر تک بتلا رہا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر اپنے بندوں سے مخاطب ہے اور اپنے بندوں کو اخلاق و اطوار درست کرنے اور زندگی کے تمام کاروبار و معاملات کو عدل و احسان کے ساتھ انجام دینے اور دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کرنے کی ہدایت دے رہا ہے۔ یہی وہ نور ہے جس کے بغیر عقلِ انسانی اندھی ہے۔

تمام انسان چاہے ان کا تعلق کسی قوم، رنگ و نسل سے ہو ان کی یہ ایک فطری خواہش ہے کہ سب بھائی بھائی بن کر رہیں یہ خواہش اس وقت تک پوری نہیں ہوسکتی جب تک تمام انسانوں کا مطلوب و مقصود ایک نہ ہوجائے ان کے سوچنے، سمجھنے کا انداز ایک نہ ہوجائے اُن کی زندگی کے فرائض، ان کا نظامِ زندگی ایک نہ ہوجائے۔ انسان کی فطرت کا تقاضا یہی ہے اور یہی قرآنی تعلیم ہے اگر اسی ایک نکتہ پر اچھی طرح غور کرلیا جائے تو ''القرآن'' کو خالص اللہ کا کلام تسلیم کرنے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔

قرآن کو ''الکتاب'' بھی فرمایا گیا ہے۔ ''ذٰلِکَ الْکِتٰبُ'' جس میں اس جانب اشارہ ہے کہ اس کی تعلیم سے منتشر و پراگندہ انسان ایک ہی مرکز پر جمع ہوجاتے ہیں اور اس کا ایک نام ''الفرقان'' بھی ہے یعنی حق و باطل کا فرق ظاہر کر کے اس حقیقت کو پیش کرنے والا جس کو قبول کئے بغیر انسانیت کی تعمیر اور امن و سلامتی کی دنیا آباد نہیں ہوسکتی اور موت کے بعد کے شدائید سے انسان نجات نہیں پاسکتا۔

دینِ فطرت نیا دین نہیں

''القرآن'' میں جس دینِ فطرت کی تعلیم ہے وہ کوئی نیا دین نہیں ہے آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک تمام انسانوں کے لئے ایک ہی دینِ فطرت نازل ہوتا رہا جس کا نام قرآنی اصطلاح میں ''دینِ اسلام'' ہے اس وقت دنیا میں جو مختلف مذاہب پائے جاتے ہیں وہ دینِ فطرت' دینِ اسلام ہی کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں جس کو لوگوں نے اپنا تفوق و برتری جتانے کے لئے بنالیا اور انسانی برادری کو اپنے خود ساختہ ادیان میں بانٹ دیا۔ ان آیتوں میں یہی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔

''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ قف'' (آل عمران:19) ترجمہ: (بلاشبہ دین (فطرت) اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔) اور ''اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا'' (انعام:159) ترجمہ: (لوگوں نے اپنا دین جدا جدا کرلیا اور مختلف گروہ بن گئے۔) نیز یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اسلام صرف (ساڑھے تیرہ سو برس کا دین ہے) دراصل اسلام اور انسانیت کی پیدائش ایک ہی ساتھ ہے۔ انسانیت جتنی قدیم ہے اسلام بھی اتنا ہی قدیم ہے البتہ تمام دنیا کے لئے کامل و جامع صورت میں یہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان' دینِ اسلام سے کماحقہٗ واقف نہ ہونے کی وجہ سے اس کی صحیح نمائندگی نہیں کررہے ہیں، اِلا ماشاء اللہ۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں بگاڑ ہی بگاڑ ہے اور مسلمان بھی اس غلط نمائندگی کی کافی سزا بھگت رہے ہیں۔ اب اس بگاڑ کو سنوارنے کے فطری تقاضے پیدا ہوتے جارہے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ شائد دنیا سابق کی طرح پھر ایک مرتبہ دینِ فطرت' دینِ اسلام کو اختیار کرے اور دنیا کے سامنے پھر ایک دفعہ چھپی ہوئی حقیقت آشکارا ہوجائے گو بالآخر دنیا بگاڑ ہی پر ختم ہوگی۔

قرآن و گیتا ایک نہیں

ہمسایہ قوم کے مفکرین کو مسلمانوں کی غلط نمائندگی سے اور اپنے طور پر قرآن پڑھ لینے سے یہ دھوکا ہوا کہ وہ قرآن اور گیتا کو ایک ہی سمجھ بیٹھے۔ قرآن میں ان کو وہی نظر آیا جو گیتا میں ہے۔ یہ بڑا دھوکا ہے۔ گیتا کی تالیف کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اپنے مخالفین سے جدال و قتال پر آمادہ کیا جائے۔ گیتا میں نغموں اور افسانوں کے ذریعہ جدال و قتال کے انسانی جذبات اُبھارے گئے ہیں۔ ایسی کتاب کو اس الٰہی کتاب سے کیا مناسبت جس کی تعلیم سے انسانیت کی تعمیر اور انسانوں کی زندگی میں طہارت و پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور انسان اس قابل بنتا ہے کہ زندگی کے کاروبار کو عدل و احسان کی بنیاد پر انجام دے۔

قرآن الہامی کتاب بھی نہیں

دیگر مذاہب کی موجودہ کتابیں توریت' انجیل و زبور وغیرہ کی طرح ''القرآن'' کو الہامی کتاب سمجھنا اور کہنا بھی ایک بڑا دھوکا اور غلطی ہے۔ توریت' زبور و انجیل تو بے شک الٰہی کتابیں تھیں مگر اب ان پر الٰہی کتاب کا اطلاق صحیح

نہیں۔ کیونکہ وہ جس زبان میں نازل ہوئی تھیں وہ زبان بھی بدل دی گئی اور اس کے احکام اور مضامین کو بھی بدل دیا گیا۔ "القرآن" جو اپنی اصلی حالت میں ردّوبدل سے محفوظ ہے از اول تا آخر "وحی الٰہی" ہے وہ وحیٔ الٰہی جس کا تعلق بندوں کی اصلاح وہدایت سے ہے۔

اس کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام و ہدایات، اپنے خاص فرشتے جبریل امینؑ کے ذریعہ اپنے پسندیدہ بندوں، انبیاء علیہم السلام پر نازل فرماتا ہے جس کو جبریل امینؑ بجنسہٖ پہنچادیتے ہیں تاکہ انبیاء علیہم السلام خود بھی ان ہدایتوں پر پوری طرح عمل کریں اور تمام انسانوں کو بھی وحی کے مطابق بندگیٔ رب کی دعوت دیتے رہیں۔ وحی کے الفاظ وعبارت میں ان انبیاء علیہم السلام کو بھی ردّوبدل کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

اس لحاظ سے قرآن مجید کے علاوہ موجودہ مذہبی کتابوں پر الٰہی کتاب ہونے کا اطلاق ہوتا ہی نہیں۔ موجودہ توریت، زبور، انجیل، وید اور ژند کو الہامی کتاب کہا جاسکتا ہے مگر قرآن مجید کو الہامی کتاب کہنا، ناسمجھی ہے۔ الہام تو ہر انسان کو ہوتا ہے چاہے وہ شخص اپنے خودساختہ طریقوں سے اپنی کتنی ہی اصلاح کرے، اور کتنا ہی دنیا سے بے تعلق رہے۔ مگر نفس کی شرارتیں چھپی رہتی ہیں۔ اس کے الہامات میں ماحول کے اثرات، اس کے طبعی رجحانات اور نفسانی میلانات شامل رہتے ہیں جس کو ملہم (جس پر الہام ہو) اپنے الفاظ وجملوں میں بیان کرتا ہے۔ وحی اور الہام میں یہی فرق ہے۔

قرآن ہی موجبِ سربلندی ہے

علم وہدایت کا یہی وہ سرچشمہ ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ قوموں کو سربلندی عطا کرتا ہے اور اس کو نہ ماننے والوں کا درجہ گھٹادیتا ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ یرفع بھٰذا الکتاب اَقوامًا وَیضع بِہٖ اٰخرین" (مسلم) ترجمہ: (بے شک اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعہ قوموں کا مرتبہ بلند کرتا ہے اور اس کے ذریعہ دوسروں کا درجہ گھٹادیتا ہے۔) رفعت و برتری کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سیاسی ومعاشی برتری ہی حاصل ہوجائے بلکہ مطلب یہ ہے جو کوئی قوم اس حیات بخش نسخۂ الٰہی "القرآن" سے اپنے قلوب کو زندہ اور اپنے افکار وکردار کو نورانی بنا کر نمودار ہوگی اس کو دیگر اقوام کی امامت وپیشوائی کا رتبہ بھی عطا کیا جائے گا۔

اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ عرب ہی نہیں بلکہ جس قوم نے بھی اس دستورِ رحمت، آئینِ بندگی کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنایا، دوسری قوموں نے ان کے آگے سر جھکایا اور ان سے انسانیت کا سبق سیکھا۔

آج بھی امت کے وہ افراد جو تعلیم وتربیت و کردار سے "ربانیین" بنے ہوئے ہیں اس عطیۂ الٰہی سے محروم نہیں ہیں۔ (ماخوذ: رہنمائے فطرت، ص:۴۹-۵۳)

☆☆☆

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ اعظم گڑھ

اصلاح تمدن

علامہ شبلی کی نودریافت تقریر

''علامہ شبلی نعمانی[۱۸۵۷ - ۱۹۱۴ء]۱۹۰۱ء میں حیدرآباد گئے اور سررشتہ علوم وفنون کے ناظم مقرر ہوئے۔ غالباً فروری ۱۹۰۱ء میں انجمن اصلاح تمدن حیدرآباد جس کے سکریٹری ان کے ایک شاگرد بابائے مولوی عبدالحق [۱۸۷۰-۱۹۶۱ء] تھے۔ اس کا جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں ممبران انجمن اور معززین شہر حیدرآباد شریک ہوئے۔ اس میں شرکت کے لئے علامہ شبلی کو خاص طور پر مدعو کیا گیا۔ اور صدارت بھی انہی کو تفویض کی گئی اور ان سے خواہش کی گئی کہ ''وہ انجمن کے مقاصد کے متعلق کچھ تقریر فرما کر انجمن کو عزت بخشیں۔''

(ماہنامہ افسر، حیدرآباد، مارچ ۱۹۰۱ء، ص ۱۳۷)

جلسے کے آغاز میں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اصلاح تمدن کے موضوع پر لکچر دیا۔ جو ماہنامہ افسر حیدرآباد مارچ ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا ہے۔ اس ماہنامہ کے ایڈیٹر بابائے اردو مولوی عبدالحق تھے۔ ان کے علاوہ خواجہ غلام الثقلین [۱۸۷۲-۱۹۱۵ء] مولوی نظام الدین حسن، مولوی محب حسین سابق مدیر ماہنامہ افسر اور نواب ممتاز یار جنگ نے بھی اس جلسے میں شرکت کی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آخر میں علامہ شبلی نے خطاب کیا۔ ان کی یہ تقریر بھی ماہنامہ افسر کے مارچ ۱۹۰۱ء ہی کے شمارہ میں شائع ہوئی ہے۔ یہ تقریر علامہ کی تحریروں اور تقریروں کے کسی مجموعہ میں شامل نہیں ہے۔ ابھی حال میں ان کے نودریافت خطبات کا ایک مجموعہ راقم حروف کی ترتیب وتحشیہ کے ساتھ دارالمصنفین اعظم گڑھ نے شائع کیا ہے۔ یہ خطبہ اس میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

اس خطبہ میں اصلاح تہذیب وتمدن کے ایک گوشہ شادی کے مواقع پر ہونے والی رسوم کی اصلاح کے موضوع پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ تقریر حسب ذیل ہے:

سب سے اول میں آپ صاحبوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ آزردن دل دوستاں جہل است وکفارہ یمین سہل تو میں کبھی اس منصب کو قبول نہ کرتا۔ اور نہ میں اس قابل تھا۔ جو مقاصد اس مجلس کے ہیں وہ مجھے اس رسالہ سے جو نواب ممتاز یار جنگ بہادر نے مجھے عطا کیا تھا۔ اور نیز اس تقریر سے جو معزز سکریٹری نے کی معلوم ہوئے۔ آپ کا مقصد بہت وسیع ہے۔ تمدن کا لفظ بجائے سولی زیشن (Civilisation) ہے۔ یہاں اس کا ترجمہ تہذیب کیا گیا ہے۔ لیکن مصر وشام میں اس کا ترجمہ مدنیت کیا ہے جو مناسب ہے۔ اور یہ لفظ نہایت وسیع ہے۔ اور ایک ایسے وسیع مسئلہ کے متعلق میں اس وقت تقریر کرنے کے

لئے تیار نہیں ہوں۔ مگر صرف ایک شاخ کے متعلق جس پر انجمن نے اب تک بحث کی ہے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

آپ نے سردست یہ قرار دیا ہے کہ شادی کے مراسم جو فضول اور لغو ہیں کم کردئے جائیں لیکن سب سے پہلے یہ خیال کرنا چاہئے کہ دنیا میں جو رسم قائم ہوتی ہے اس کا سبب کیا ہوتا ہے۔ اور یہ کہ اب بھی وہ سب باقی ہے یا نہیں ہے۔

کوئی رسم خواہ کیسی ہی بدتر کیوں نہ ہو جب قائم ہوتی ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی علت یا نیچرل اسباب ضرور ہوتے ہیں۔ اسی طرح شادی کے رسوم جو اس وقت بے معنی اور لغو معلوم ہوتے ہیں ان کا بھی کوئی سبب تھا۔

شادی ایک قسم کا معاہدہ ہے، جس کا اعلان ہونا ضروری ہے تاکہ تمام لوگ اس سے واقف ہوجائیں۔ اور اگر مابین زن وشوہر کوئی تکرار یا جھگڑا واقع ہو تو اس کا ثبوت پیش ہوسکے۔ غرض یہ معاہدہ آیندہ زندگی پر قوی اثر رکھتا ہے۔ اور اس لئے اس کے واسطے اعلان کی ضرورت داعی ہوئی۔ شریعت اسلام نے شادی کے متعلق سب کچھ گھٹایا مگر اس قدر ضرور اجازت دی کہ دف بجایا جائے۔ حالانکہ یوں باجا بجانا منع ہے۔ اسی طرح کم سے کم دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ نکاح ناجائز ہے۔ بلکہ (بعض کا یہاں تک خیال ہے) کہ عدم موجودگی گواہوں سے نکاح نہ صرف پبلک کی نگاہ میں بلکہ خدا کے ہاں بھی ناجائز ہے۔ درحقیقت باجا بجانا اور گواہوں کا ہونا ایک قسم کا اشتہار ہے۔ اس زمانہ میں نہ رجسٹری کا قاعدہ تھا نہ اخبار تھے۔ آخر اعلان کیوں کر ہوتا۔ اس واسطے یہ قواعد مقرر کئے گئے۔ تاکہ جو فائدہ رجسٹری سے حاصل ہے وہ اس سے پیدا ہو۔ اب جہاں رجسٹری کا قاعدہ جاری ہے وہاں اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

دوسری چیز طلب ناموری اور شہرت ہے۔ درحقیقت یہ جان انسانیت ہے۔ اور ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ بھی ہے۔ دنیا کی ترقی کی اعلیٰ وجہ بھی طلب شہرت ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ شہرت کیوں کر حاصل کرنی چاہئے۔ ایک مہذب اور غیر مہذب ملک میں فرق یہ ہے کہ ایک کے ہاں صحیح اور جائز طریقے شہرت حاصل کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور دوسرے کے ہاں ناجائز، مگر طلب شہرت میں دونوں مشترک ہیں۔ مثلاً آج کل یورپ اور امریکہ کے لوگ کار خیر میں ہزاروں اور لاکھوں روپیہ دیدیتے ہیں۔ مگر ہندوستان کا ایک بنیا جو دولت مند ہے وہ شادی کی تقریب میں لاکھوں صرف کردیتا ہے کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ میری ناموری کا یہی ذریعہ ہے۔ یہ شادی کی رسمیں اس وقت کی قائم کی ہوئی ہیں جب کہ شہرت کے ذرایع اس سے بہتر اور اعلیٰ نہ تھے۔

تیسرا سبب مخصوص ہندوستان سے متعلق ہے اور شاید اور ملکوں میں بھی ہو۔ یعنی لڑکی کا ساتھ لے جانا۔ ہندوستان میں بیٹی دینا عار سمجھتے تھے۔ اور خوشی سے شادی نہیں کرتے تھے۔ دولہن کا اس طرح لے جانا اس امر پر مبنی تھا کہ گویا لڑکی کو بزور لے جانا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ رہ گیا کہ کہ گھوڑے، ہاتھی، پالکی، اور دیگر شان وشوکت کے ساتھ لڑکی رخصت ہونے لگی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ اسباب اب بھی موجود ہیں یا نہیں۔ جاڑوں کے کپڑے گرمیوں میں موزوں نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ اسباب موجود نہیں ہیں تو پھر ان چیزوں کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے؟ اعلان اب بھی ضروری ہے اور جو کچھ شرع شریف نے اس کے متعلق بتایا ہے وہ بالکل کافی

ہے۔ دف یا باجا بجانا گواہوں کا ہونا۔ اب رہا ذریعہ شہرت، تو اس قسم کی تقریبیں اس کے لئے اب بالکل بیہودہ سمجھی جاتی ہیں اور جوں جوں تہذیب بڑھتی جائے گی یہ چیزیں مٹتی جائیں گی۔ لیکن ایک امر سب سے ضروری ہے اور جس کی طرف میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ کیسی ہی انجمنیں قائم کیجئے آپ کو کافی طور سے کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اس رسم میں بڑا حصہ عورتوں کا ہے۔ سیکڑوں کو یہ تسلیم ہے کہ بہت سی رسوم لغو اور فضول ہیں اور ترک کر دینی چاہئیں، مگر وہ عورتوں کی حکومت سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ اب سوچنا چاہئے کہ ہم کیونکر اس حکومت سے آزاد ہو سکتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ عورتیں اس قابل نہیں اور ان سے یہ حکومت چھین لی جائے۔ ہم نے عورتوں کے بہت سے حقوق برباد کئے ہیں اور ان کی تلافی میں صرف یہ حکومت باقی رہ گئی ہے۔ ہم اس سے بہ آسانی آزاد ہو سکتے ہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو سمجھائیں اور تعلیم دیں کہ جائز ذریعہ شہرت یہ نہیں ہے اور دوسرے ذرائع شہرت کے انہیں بتائے جائیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنی ناموری چاہتا ہے۔ ہماری عورتیں سرکاری عہدوں پر نہیں۔ تالیف و تصنیف کا کام نہیں کرتیں اور نہ اور کسی قسم کا کام ان کے ہاتھ میں ہے، جس سے ناموری حاصل کریں۔ تو پھر ان کے پاس کون سی ایسی چیز ہے جو ان کے حوصلہ اور خدمات کو دکھا سکے۔ ان کے پاس صرف ایک یہی میدان رہ گیا ہے۔ بچہ کے پیدا ہوتے ہی یہ خیال آٹھ پہر ان کے سامنے رہتا ہے کہ اس کی شادی دھوم دھام سے کریں۔ جب یہ مسلم ہے کہ عورتوں کے لئے سوائے اس میدان کے اور کچھ باقی نہیں ہے تو ہمیں چاہئے کہ ایسے ذرائع پیدا کریں کہ وہ اپنے حوصلے دکھا سکیں اور پھر سب چھوٹ جائے گا۔ میرے خیال میں کسی کا قید رہنا آسان ہے، مگر یہ کہنا کہ صبح سے شام تک ایک جگہ بند رہو اور کچھ نہ کرو، بہت مشکل ہے۔ ہماری عورتوں کے لئے اب کیا شغل ہے، سوائے اس کہ بچے کی شادی کے سامان کریں اور اسی ارمان میں اپنی زندگی بسر کریں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ رسوم مٹ جائیں تو مردوں کی کوشش سے یہ کام سرانجام نہیں پا سکتا جب تک عورتوں کو تعلیم نہ دی جائے اور وہ خود اپنی اصلاح نہ کریں۔

اخیر میں میں اس قدر اور کہوں گا کہ ہندوستان میں اصلاح کے لئے سیکڑوں انجمنیں قائم ہیں، لیکن قریباً سب ناکام ہیں۔ اس لئے کسی انجمن کا نام سنتے ہی سب سے اول یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک لطف صحبت کے لئے ہے ،اس لئے میں بقول ایک عرب کے یہ کہتا ہوں:

کن یداً و لا تکن لساناً

لوگ کہتے بہت کچھ ہیں، مگر اتنا کر نہیں سکتے۔ عرب (شاعر) کہتا ہے کہ زبان نہ بنو بلکہ ہاتھ بنو۔

اب میں اس کے متعلق اتنا اور کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں کچھ کر کے دکھانا چاہئے۔ اگر ہر شخص عملی صورت بن جائے تو لوگ دیکھ دیکھ کر اس سے زیادہ متاثر ہوں گے۔ انسان جس قدر آنکھ سے سیکھتا ہے کان سے نہیں سیکھتا۔ اسراف بہت بری چیز ہے۔ اسے روکنا چاہئے۔ اور وہ ہم میں ہی نہیں بلکہ انگریزوں میں بھی ہے، جن کی ہم تقلید کرتے ہیں۔ اس لئے جب ہم نمونہ بننا چاہتے ہیں تو ایسا بننا چاہئے کہ کسی گروہ یا فرقہ کا اسراف ہم پر عاید نہ ہو۔

(ماہنامہ افسر، حیدرآباد مارچ ۱۹۰۱ء، ص ۱۳۷-۱۴۳)

ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی۔ایسوسی ایٹ پروفیسر،عین شمس یونیورسٹی،قاہرہ،مصر

اسوان: زر کی سرزمین

اسوان کو تاریخی طور پر جنوبی مصر اور اس کے جنوبی دروازے کے اہم ترین شہروں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ یہ مصر کا جنوبی گیٹ وے ہے اور دریائے نیل کے مشرقی ساحل پر دریائے نیل کے پہلے آبشار پر واقع ہے۔ اس کا کچھ حصہ نیل کے چاروں طرف میدان میں واقع ہے اور دوسرا پہاڑیوں پر ہے، جو مشرقی صحرائی سطح مرتفع کے کنارے کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کے جنوب میں دریائے نیل کا پہلا آبشار ہے جو بالائی مصر اور 'نوبیا' کے درمیان قدرتی حد کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ قاہرہ سے ۸۷۹ کلومیٹر دور ہے اور ریلوے، صحرائی اور زرعی زمینی سڑکوں، نیل کی کشتیوں اور گھریلو پروازوں کے ذریعے قاہرہ سے منسلک ہے۔ یہ ۲۰۰۵ء سے دستکاری اور فنون کے شعبے میں یونیسکو کی فہرست میں رجسٹرڈ تخلیقی شہروں میں سے ایک ہے۔

قدیم مصری زبان میں اسوان شہر کو 'سونو' کے نام سے جانا جاتا تھا، جس کا مطلب بازار ہے۔ جہاں یہ ایک تجارتی علاقہ تھا اور تجارتی قافلوں کا ایک ٹھکانہ تھا، یہ نوبیا آنے اور جانے والے قافلوں کا تجارتی مرکز تھا۔ بطلیما کے دور میں یونانیوں نے اس نام کو بدل کر 'سین' رکھ دیا، پھر (اقباط) نے اسے 'سوان' کہا۔ اسے سونے کا ملک بھی کہا جاتا تھا، کیونکہ یہ 'نوبیا' کے بادشاہوں کے لیے ایک بہت بڑا خزانہ یا قبرستان تھا جو وہاں ہزاروں سال سے مقیم تھے۔ اور اسوان کی سرحدیں مشرق میں 'اسنا' سے جنوب میں 'سوڈان' کی سرحدوں تک ہجرت سے پہلے پھیلی ہوئی تھیں اور اس کے باشندے نوبیان تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں 'نوبیا' پر اسلامی فتح کے بعد کچھ عرب قبائل اس میں رہنے لگے۔ عرب کے آنے کے بعد اس کا تلفظ اور نام 'اسوان' پڑا۔

چونکہ اسوان ملک کی جنوبی سرحد کی نمائندگی کرتا تھا، اس لئے اس کی اہمیت مصر کی پرانی سلطنت کے دور میں شروع ہوئی۔ یہ وسطی بادشاہوں کے دور میں ان فوجوں کے اجتماع کا مرکز بھی تھا، جنہوں نے جنوب میں اپنی حکمرانی کو بڑھانے کی کوشش کی۔ اسوان نے 'ہکسوس' کے خلاف جنگ میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ بادشاہ محمد علی نے ۱۸۳۷ء میں مصر میں پہلا ملٹری اسکول قائم کیا۔ دسویں صدی عیسوی میں اسلامی دور میں اسوان کی ترقی ہوئی، جہاں سے بحری جہاز حجاز یمن اور ہندوستان جاتے تھے۔ چھٹی اور ساتویں صدی میں یہ ایک اہم ثقافتی مرکز بھی تھا۔ مصر کے دوسرے شہروں کی طرح اسوان کے زیادہ تر باشندوں نے سنی مکتبہ فکر اور صوفی طریقوں کے مطابق اسلام قبول کیا۔ ان کا ایک حصہ عیسائیوں سے ہے، جن میں سے زیادہ تر قبطی آرتھوڈوکس ہیں۔

اسوان میں سردیاں مختصر اور گرم ہوتی ہیں۔ موسم سرما بہت دلچسپ اور پرلطف ہوتا ہے، جبکہ موسم گرما طویل اور بہت گرم ہوتا ہے۔ گرمیوں میں چلچلاتی دھوپ کے ساتھ موسم ناقابل برداشت حد تک گرم ہوتا ہے۔ کم موسمی تغیرات کے ساتھ تمام موسموں میں اسوان کا موسم پورے سال روشن اور

دھوپ والا رہتا ہے اور ہر سال بارش نہیں ہوتی ہے۔ درحقیقت پوری دنیا میں اسوان کو مصر کے خوبصورت ترین شہروں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے، جو موسم سرما گزارنے کے لئے بہت مناسب ہے۔ یہاں معتدل آب وہوا، گرم دھوپ اور سکون جو اس میں ہر جگہ غالب ہے، یہاں تک کہ کشتیاں جو ایک شاندار اور خوبصورت پرسکون انداز میں دریائے نیل پر بہتی ہیں۔

اسوان شہر اور اس کے گردونواح کو ایک سیاحتی اور آثار قدیمہ کا علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ جہاں غیر ملکی سیاحوں کی تعداد میں خاص طور پر یورپ اور مشرقی ایشیا سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کے اہم ترین سیاحتی مقامات میں سے 'پرانا اسوان ڈیم' شامل ہے۔ اس کی تعمیر کا کام ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۶ء کے درمیان جنوبی مصر کے شہر اسوان میں شروع ہوا۔ اس کا سنگ بنیاد خدیوی عباس حلمی دوم نے رکھا تھا اور ان کے دور میں اس کا افتتاح کیا گیا۔ اس پر ایک سڑک کی تعمیر ہوئی جو دریائے نیل کے مشرقی اور مغربی کناروں کو ملاتی ہے۔ یہ ڈیم ۲۱۴۱ رمیٹر لمبا، ۹ رمیٹر چوڑا اور ۱۸۰ راس کے دروازے ہیں۔ یہ علاقے میں دستیاب گرینائٹ پتھر سے بنایا گیا ہے۔ اس سائز کا بنایا جانے والا پہلا ڈیم تھا اور اس وقت دنیا کا سب سے بڑا ڈیم بنایا گیا تھا۔ ڈیم کا کام دریائے نیل کے سیلاب کے دوران پانی کو محفوظ کرنا ہے، جہاں آبپاشی کے لیے ضروری مقدار میں پانی نکالا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ جزیرہ 'بیسا' کو بہت ساری یادگاروں اور فرعونی نقشوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ممتاز کیا گیا ہے۔ یہ جزیرہ اسوان شہر کے مشرق میں فیلہ مندر کے قریب، ہائی ڈیم اور اسوان ریزروائر کے درمیان واقع ہے۔ نیوبین کے قدیم ترین جزیروں میں سے ایک ہے۔ یہ نام بادشاہ بیس کے نام پر ہے، جو ساتویں خاندان کے سب سے اہم بادشاہوں میں سے ایک ہے۔ اس کے ممتاز مقام کی وجہ سے اسے ایک احیاء میلہ منعقد کرنے کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ جیسے سیاحت، پارٹیاں اور مصری شخصیات کا میلہ ہے۔ ماضی میں یہ جزیرہ اس شہر میں رہنے والے پادریوں کے لیے قبرستان کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ہمسایہ جزیرہ فیلہ کے باشندوں کے لیے بھی، کیونکہ یہ پتھر اور لکڑی نکالنے کے لیے ایک قدرتی کان تھی، جسے دریا کے پار لے جایا جاتا تھا، تاکہ تہرام کی تعمیر کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ جزیرے کے گھر چمکدار رنگوں میں چمکتے ہیں۔ یہ چھوٹے پہاڑ کی چٹانوں پر ایک خوبصورت ہم آہنگی اور پاکیزگی کے ساتھ تقسیم کیے گئے ہیں، جو کہیں اور تلاش کرنا مشکل ہے۔ پہاڑ کے پتھروں سے جڑی ہوئی چمکدار رنگ کی تصویریں جو گھروں کو باہر اور اندر سے آراستہ کرتی ہیں، ایک خوبصورتی اور نفاست بخشتی ہیں، جو دیکھنے والوں کے دلوں کو موہ لیتی ہیں۔ فرعونی، قبطی اور اسلامی ماڈلز اس کے فن تعمیر میں ایک ہم آہنگ خوبصورتی میں ملتے ہیں۔ گھروں کو چاروں طرف سے پہاڑ اور دریا گھیرے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے اس جزیرے کے لوگ آلودگی سے پاک اور خوبصورت صاف ہوا سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ بیماریوں سے پاک صحت مند آب وہوا ہے، جس کی وجہ سے یہ گٹھیا اور جوڑوں کے درد کے مریضوں کے لیے ایک صحت مند کرمز ہے۔ یہ جزیرہ نیل کی مٹی سے مٹی کے برتن بنانے، جزیرے کے لوگوں کی دستکاری اور رنگین موتیوں کے ساتھ نیوبین لوازمات کی تیاری کے لیے بھی مشہور ہے، جسے عورتیں پہنتی ہیں اور پودوں کے اردگرد کے ماحول کی کچھ ڈرائنگ کے ساتھ ان کو ٹیکہ لگانا، جانور اور پرندے اور مشہور علامتیں جیسے کھجور اور بچھو۔ اس جزیرہ پر بھنڈی، مٹر، کاؤپیاس، مونگ

پروفیسر مظفر علی۔ شمیری

غزل

جو کانچ کے ٹکڑے ہیں وہ تاجوں میں جڑے ہیں
ہیروں کی یہ قسمت ہے کہ مٹی میں پڑے ہیں
اُن کو جنھیں کرنوں نے بھی نرمی سے چھوا تھا
وہ آج سلگتی ہوئی بستی میں کھڑے ہیں
وہ خواب جنھیں درد کے ہاتھوں نے ہے توڑا
سوکھے ہوئے پتوں کی طرح بکھرے پڑے ہیں
اُس جانِ بہاراں کے لبوں سے ہے وہ نکلی
گالی نہ اسے سمجھو، یہ کچھ پھول جھڑے ہیں
یہ وقت کہ مرہم کی ضرورت ہے مظفرؔ
اس وقت وہ زخموں کو کھرچنے پہ اڑے ہیں

پھلی اور کھجوروں کی کاشت بھی ہوتیہے۔ جزیرے کے لوگ کشتیاں بنانے کے لئے بھی مشہور ہیں، جو اس جزیرے سے باہر نکلنے، یا شہر میں داخل ہونے کے لیے نقل وحمل کا واحد ذریعہ ہیں۔ اس شہر کے زیادہ تر باشندوں کا پیشہ غیر ملکیوں اور سیاحوں کو ماہی گیری اور کشتیاں کرائے پر دینا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ بڑھئی کا پیشہ بھی کرتے ہیں، جو کہ ان کا بنیادی پیشہ ہے، جیسے کہ زرعی آلات کی تیاری اور فرنیچر کے بہت سے ٹکڑوں کے ساتھ جن کے لیے پورا 'نوبا' مشہور ہے۔

اسوان کے اہم ترین سیاحتی مقامات میں سے فیلہ مندر بھی ہے، جو فرعونی مصر کے سب سے مشہور مندروں میں سے ایک ہے۔ یہ دریائے نیل کے وسط میں جزیرہ فیلہ پر واقع ہے، جو کہ مصر کے سب سے اہم دفاعی قلعوں میں سے ایک تھا، لیکن مندر کی تعمیر کے بعد نیل کے سیلاب کے خوف سے ابوسمبل کے مندر اور کلابشا کے مندر کی طرح اگیلیکا جزیرے پر اس کی اصل جگہ سے ہٹا دیا گیا تھا۔ فیلہ ٹیمپل خاص طور پر تیسری صدی قبل مسیح میں دیوی 'ایزیس' کی پوجا کے لیے تعمیر کیا گیا تھا اور یہ بات قابل غور ہے کہ دیوی ایزیس مصر میں سب سے اہم اور طاقتور دیوتاؤں میں سے ایک تھی، جس کی پوجا یونانی اور رومانی دونوں ہی کرتے تھے۔ فیلہ جزیرے پر بہت سے مندر ہیں، جن میں سے شاید سب سے اہم اور مشہور مندر تیسرے بادشاہ خمس کے تعمیر کردہ ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ مندر جو بادشاہ 'نخت نباف' نے تعمیر کیا تھا اور ساتھ ہی رومیوں کے مندر بھی ہیں۔ بطلیموس، جسے ماہرین آثار قدیمہ 'مخدع فرعون' یعنی فرعون کا بستر کہتے ہیں۔ فیلہ کے مندر کا نام رکھنے کی اگر بات کریں تو لفظ فیلہ کے مختلف زبانوں میں بہت سے معنی ہیں۔ قدیم مصری قبطی زبان میں بیلاک یا بیلاخ میں اس کا مطلب حد یا انتہا ہے، کیونکہ یہ جنوب میں مصر کی آخری سرحد تھی اور یونانی زبان میں اس کا مطلب محبوب ہے اور عربی زبان میں انس الوجود ہے۔ فیلہ جزیرے پر فرعونی مجسمے کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، جو اسے قدیم فرعونی جزیروں کا زیور بناتی ہے، جہاں تیس خاندان سے منسلک 'نختنبو اول' کا مزار ہے اور رومی اور بطلیمی دور کے ستون ہیں جیسے حتھور کا مندر، امحوٹپ کا مندر اور ٹراجان کا چیپل ہے۔ یہاں ایک بات کا ذکر کرنا ضروری ہے، وہ یہ جب پانچویں صدی عیسوی میں عیسائیت ملک کا سرکاری مذہب بن گیا تو فرعونیوں کے زیادہ تر مندر گرجا گھروں میں تبدیل ہو گئے اور جزیرہ فیلہ 'الاسقفیات: بشپوں' میں سے ایک کا مرکز تھا، جس کی وجہ سے عیسائیت جنوب میں مصر اور سوڈان میں نوبیا کی طرف پھیل گئی۔

ڈاکٹر لبنا محمد۔کاشمیری

مولانا شبلی پر ایک نظر

مقالات شبلی کے چند گوشے

علامہ شبلی اردو ادب کی وہ واحد ہستی ہے جس نے مغربی علوم سے متاثر ہوتے ہوئے بھی مشرقی افکار کی لُو کو اتنا روشن اور تنومند بنایا کہ اس کی آب و تاب اور چمک کے آگے تمام مغربی افکار پھیکے پڑنے لگے اور ان کی چمک ماند پڑنے لگی۔ ان کا طریقۂ کار نہ صرف سائنٹیفک تھا، بلکہ کئی معنوں میں جراحت سے گزر کر نیا روپ دھارن کرتے ہوئے دکھتا تھا۔ آفتاب احمد صدیقی شبلی مرحوم کی بایت لکھتے ہیں کہ اُردو ادب کی دو یو پیکر ہستیوں میں شبلی ہی وہ خوددار ہستی ہے جس نے مغربی علوم وفنون کی تیز و تند آندھی میں بھی مشرقی علوم و فنون کے دیئے کو نہ صرف بجھنے نہیں دیا بلکہ اپنی تلاش و جستجو، تحقیق و تدقیق کے روغن سے اس کی لو کو بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ ''چراغ خانہ''، ''شمع انجمن'' کے دوش بدوش کھڑا ہونے کے لایق ہو گیا۔'' ۱

مولانا شبلی پچھلی صدی کے ایک زبردست محقق اور شخصیت گزرے ہیں ان کے ہم پلہ شخصیت نہ تو اُس دور میں موجود تھی اور نا ہی اِس دور میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ خانوادۂ سرسید کی عمارت یقیناً سید احمد خان نے کھڑی کی ہے، لیکن اس عمل کو رنگین نوا اور جاذبِ نظر بنانے میں شبلی مرحوم کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ اردو کے عناصر خمسہ (سرسید، حالی، شبلی، ڈپٹی نذیر احمد، آزاد) میں بھی ان کا ہی پایہ بلند ہے۔ کیونکہ اس گھرانے میں علامہ شبلی اپنی ایک الگ ہی دنیا بسانے میں کامیاب رہے تھے انھوں نے اپنے زمانے کے نامی گرامی اساتذہ سے تعلیم حاصل کر کے خاصا نام کمایا تھا۔ جس پروفیسر آرنلڈ سے علامہ اقبالؔ نے فلسفہ سیکھا تھا، اسی لایق استاد سے شبلی نے فرانسیسی زبان سیکھی تھی۔ قانون کی سند حاصل کی تو تھی لیکن دل کہیں اور ٹکا ہونے کی وجہ سے اس پیشے میں کراں قدری نصیب نہ ہوئی۔ عربی، فارسی اور اُردو کے علاوہ کئی زبانوں نے منتہیٰ تھے۔ ان کے کلام اور کلام جو کہ نظم و نثر دونوں پر محیط ہے، کی گہرائی اور گیرائی ماپنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور نوح علیہ السلام کی عمر درکار ہے۔ ؎ قصیدہ (۱۸۹۴ میں پڑھا گیا)

بزم احباب ہے پُر جوش ہے جلسا کیسا
جم گیا پھر صراب و عشق کا نقشہ کیسا
صفحۂ عشق کی سطر میں ہیں برابر دیکھو
حسن ور خوبی سے یہ مجمع ہے صف آرا کیسا

علامہ شبلی بصیرت کو سمجھنے کے لئے ان کی کتابوں

(خصوصاً حیات شبلی اور کلیات شبلی) کا مطالعہ ضروری ہے، جو کسی گمشدہ خزانے سے کم نہیں۔ ان کے وہ مقالات جو علم کے نکتوں اور باریک بینی سے پُر ہیں، بھی اس حوالے سے ٹھوس شواہد فراہم کرتے ہیں کہ شبلی کس قدر عرق ریزی کر کے کسی مسئلے پر سوچتے تھے۔ مثلاً ڈارون کے نظریہ، جو نے عالم اسلام میں بھونچال سا پیدا کیا تھا، کے بارے میں محققانہ انداز میں اس طرح گفتگو کی ہے گویا کوئی ماہر حیوانات اپنے اصول تحقیق کی بنیاد پر سلجھا رہا ہو۔ چنانچہ مقالات شبلی جلد ہفتم کے ایک مقالہ ''ارتقاء کا نظریہ اور مسلمان فلسفہ'' میں بڑی زبردست زیرکی سے کام لیا ہے اور ڈارون کے نظریۂ ارتقاء پر بحث کرتے ہوئے انھوں نے کہیں پہ نہیں لکھا ہے کہ یہ نظریہ اسلام کے خلاف ہے۔ وہ نئے خیالات سے نہ صرف واقف تھے، بلکہ ایسا لگتا تھا ہے کہ وہ اس نظریہ کو باقیوں سے قطع نظر ہمدردی سے دیکھتے ہیں کہ ڈارون کا نظریہ بھی ایک احتمال پیش کرتا ہے جیسے کہ اور بھی احتمالات ہیں۔ اور اس کی وجہ کوئی نہیں کہ ہم اسے ہنسی مذاق میں اڑا دیں۔ آج تمام سائنس اس بات پر متفق ہے کہ تمام سائنسی اصول بدل بھی سکتے ہیں۔ ساتھ ساتھ اپنی بات کو مستحکم کرنے کے لئے انھوں نے بتایا کہ آج سے ہزار برس پہلے کے مسلمان فلسفیوں نے ایسے تصورات پیش کیے ہیں جن کو ڈارون اور دوسرے سائنسدانوں نے بعد میں پھیلا کر پیش کیا اور وہ تمام دنیا میں مقبول ہوئے۔

اسی مقالہ میں کئی بار انھوں نے یہ بات باور کرائی ہے کہ ڈارون جو کچھ کہتا ہے، وہ ایسی چیز نہیں جس کی ہنسی اُڑائی جائے۔ بلکہ یہ تک کہا ہے کہ روزمرہ کے تجربے ڈارون کے نظریے کی شہادت دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر گلاب کی ایک دو قسمیں ہی پہلے تھیں، آج کئی سو، بلکہ اس سے بھی زیادہ قسمیں ہیں۔ ملکی ترقی نے جانوروں کی اقسام کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ یہ بھی آنکھوں سے نظر آتا ہے کہ اعلیٰ قسم ابتداً خود بہ خود نہیں پیدا ہوئی، بلکہ وہی ادنیٰ چیز ترقی کرتے کرتے ادنیٰ سے اعلیٰ بن گئی۔ اس طرح فطرتاً ادنیٰ چیزیں اعلیٰ ہوتی رہتی ہیں۔ اس بناء پر زیادہ ترین قیاس یہی ہے کہ جمادات، نباتات، حیوانات بھی اسی طرح ترقی پا کر ایک نوع سے دوسری نوع ہوتی گئی۔ ایسے اہم اور نازک معاملے کو اس طرح انھوں نے پیش کیا ہے کہ کوئی آنکھ بھویں بھی نہیں چڑھ سکا۔ اور آج تک کسی نے اس کا رد بھی نہیں کیا ہے۔ ان خیالات کو پڑھنے کے بعد یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے، یہ نظریہ ماننے سے انسان دینِ اسلام سے خارج بالکل نہیں ہوتا اور اس کو سرے سے آخر تک یکسر مسترد بھی نہیں کر سکتا، جیسا کہ بعد کے کچھ علماء کا خیال ہے۔ اس حساس معاملے کو سلجھانے سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا شبلی کی سوچ دراصل وہاں سے شروع ہوتی تھی جہاں سے لوگ غور وخوض کی پرواز سے تھک کر ہار کر اُڑان لینا بھی گوارا نہیں کرتے۔ مشہور و معروف اردو ویب سائٹ ریختہ میں مقالات شبلی کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ شبلی نعمانی اردو کے عظیم علمی و ادبی شخصیات میں سے ہیں۔ اردو سوانح نگاروں اور تاریخ نگاروں کی صف میں شبلی کی قد آور شخصیت ہے۔ مولانا شبلی کے مستقل تصنیفات کے علاوہ مختلف عنوانات پر سینکڑوں علمی و تاریخی اور ادبی و سیاسی مضامین لکھے تھے جو اخبارات و رسائل کے صفحات میں منتشر تھے۔ ان کے تمام مضامین کو یکجا صورت میں پیش کرنے کے لئے ہندوستان کے مختلف عسائل و اخبارات مثلاً 'معارف علی گڑھ'، 'دکن ریویو'، 'انسٹیوٹ گزٹ'، 'تہذیب الاخلاق'، 'الندوہ'، 'مسلم گزٹ'

وغیرہ سے مولانا کے تحریر کردہ تمام مضامین نہایت تلاش و محنت سے جمع کئے گئے اور مختلف موضوع کے لحاظ سے الگ الگ ان کی تقسیم کی گئی اور ''مقالات شبلی'' کے نام سے اشاعت کا انتظام کیا گیا۔ یہ اس سلسلے کی آٹھویں جلد ہے جس میں مذہبی، تاریخی، تعلیمی اور سیاسی مضامین شامل ہیں۔

مقالات شبلی کے جلد پنجم جو کہ تاریخی باب پر مشتمل ہے، میں صفحہ ۱۰۴ پر زیب النساء (اورنگ زیب کی بیٹی) پر جو تحریر رقم کی گئی ہے اس کو پڑھ کر یہی خیال آتا ہے کہ مغرب کے لکھاریوں کے ساتھ ساتھ ہندوستانی قلمکاروں نے بھی علمی حوالوں کے ساتھ کہیں کہیں بہت زیادتی کی ہے۔ چنانچہ اس عظیم خاتون کے بارے میں لکھنے سے پہلے جیسے دیباچہ تحریر کیا ہو۔ لکھتے ہیں:

''بمبئی کے سفر میں ایک عزیز دوست نے، جو انگریزی تصنیفات پر زیادہ اعتماد رکھتے ہیں۔ انڈین میگزین اینڈ ریویو کا ایک آرٹیکل دکھلایا جو زیب النساء کی سوانح عمری کے متعلق تھا، مجھ کو افسوس ہوا کہ ایک ایسے معزز پرچہ کا سرمایہ معلومات تمام تر بازاری قصے تھے، جس میں سے ایک شرمناک قصہ عاقل خاں رازی کا بھی ہے، اس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ خود مسلمانوں میں بازاری اہل قلم نے زیب النساء کے جو حالات تجارتی غرض سے قلم بند کئے وہ بالکل بے سروپا ہیں۔ اس بناء پر خیال ہوا کہ زیب النساء کے متعلق صحیح معلومات یکجا کر دیئے جائیں۔ موصوف الذکر دوست نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کو انگریزی میں منتقل کر دیں گے جس سے یہ فائدہ ہوگا کہ غلط معلومات کی اصلاح ہو جائے گی۔

انگریزی مصنفوں کی غلطیاں جو عالم گیر ہو جاتی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ کوئی شخص ان کی پردہ دری نہیں کرتا، اور کرتا ہے تو ایسی زبان میں جس کی ان کو خبر نہیں ہوتی۔ اس لیے سلسلہ بہ سلسلہ وہ غلطیاں پھیلتی جاتی ہیں اور ان سے مسلمانوں کے اخلاق اور عادات کی نسبت نہایت بُرے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک عزیز دوست کی خاطر سے مجھ کو اپنے دائرہ تحریر سے ہٹنا پڑا ہے لیکن میں اس بے اصولی سے شرمندہ نہیں ہوں۔''

مقالات شبلی کے ہر جلد یا ہر جلد کے مضامین پر تبصرہ یا تجزیہ کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ البتہ جن دو مضامین پر بات ہوئی وہ عمومی طور پر لکھاریوں اور خصوصی طور پر مسلمانوں کے یہاں بھی شجرہ ممنوعہ تصور کیے جاتے ہیں بلکہ اپنی خفگی اور آزردگی کا اظہار کرتے ہوئے مسئلۂ ارتقاء اور ڈارون کی شروعات میں ہی علامہ نے کچھ اس طرح کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔

ڈارون کی بیس برس کی پیہم کوشش اور غور و محنت کی داد ہمارے ملک نے تو یہ دے دی کہ ''وہ انسان کی اصل بندر قرار دیتا ہے۔ اس لئے خود بندر ہے'' لیکن یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو قریباً یورپ کے تمام حکماء تسلیم کرتے جاتے ہیں۔ اس قابل نہیں کہ اس کو ہنسی میں اُڑا دیا جائے۔''

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس علمی خزانے کو نشر و اشاعت کے تمام ذرائع سے عام کیا جائے تاکہ اس معاملے میں علمی روشنی عام لوگوں تک پہنچ سکے، جو آج بھی بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے ان باریک نکتوں سے آنکھیں چُرانے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔

مولانا عبدالعلیم اصلاحیؒ صاحب

کچھ یادیں، کچھ باتیں

مت سہل جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

برّصغیر میں خطۂ اعظم گڑھ عرصۂ دراز سے عالمی، ملکی اور ریاستی سطح پر خداداد صلاحیت، انتھک محنت، خدمات اور انقلابات کی وجہ سے نمایاں مقام رکھتا ہے، ڈاکٹر حبیب اللہ اعظم گڑھ کے تعلق سے کچھ یوں لکھتے ہیں:

''ہندو تاریخوں اور پرانوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سرزمین قدیم زمانہ ہی سے بڑی اہمیت کی حامل رہی ہے اور اس کو رشیوں، منیوں، سادھوؤں اور سنتوں کی عبادت گاہ اور دیوی دیوتاؤں کا مسکن ہونے کا فخر حاصل رہا ہے'' (اعظم گڑھ کا علمی وادبی پس منظر، ص:۲۰)

مشہور شاعر اقبال سہیل اس خطہ کے تعلق سے کہتے ہیں:

اس خطۂ اعظم گڑھ پہ مگر فیضان تجلی ہے یکسر
جو ذرّہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیّر اعظم ہوتا ہے

نیز معروف عالم دین ومؤرخ قاضی اطہر مبارک پوری رقم طراز ہیں:

''اعظم گڑھ کی مٹی میں زرخیزی اور شادابی کی شان جداگانہ ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ آج اس کے قریات وقصبات میں علم وعلماء کی جو رونق اور کثرت پائی جاتی ہے اس کی مثال دوسرے پڑوسی اضلاع میں نہیں ملتی'' (علماء اعظم گڑھ، ص:۲۹)

اسی خطہ میں جب مغل بادشاہ شاہجہاں کی آمد ہوئی تو یہاں کی علمی فضاؤں کو دیکھ کر شاہجہاں نے کہا تھا ''مملکت پورب شیراز ماست'' خطۂ اعظم گڑھ کے قریات وقصبات میں داخلی اور خارجی شہادتوں کی بنیاد پر تقریباً ساتھ آٹھ سو سالوں سے علم اور علم کی عظمت کا پتہ چلتا ہے، خطۂ اعظم گڑھ میں شہر اعظم گڑھ کے بالکل متصل ٹونس ندی (تمسہ ندی) کے ساحل پر موضع بمہور آباد ہے جس کو متعدد حیثیتوں سے اہمیت حاصل ہے، یہ موضع علماء، مصنفین اور مجاہدین آزادی کا مولد ومسکن رہا ہے۔ اس موضع کے باشندے مختلف مذاہب اور مختلف پیشے سے تعلق رکھتے ہیں، اس موضع کے مشہور عالم دین مولانا شبلی متکلم ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا داؤد اکبر اصلاحی، مولانا نجم الدین احیائیؒ، مولانا محمد مسلم قاسمیؒ، پروفیسر عبد الوہاب اور دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم مفتی محمد راشد اعظمی کا تعلق بھی اسی مردم خیز بستی سے ہے۔ نیز مشہور مجاہدین آزادی میں سے شیخ رجب علی کا تعلق بھی اسی قریہ سے ہے۔

مولانا عبد العلیم اصلاحیؒ سے راقم الحروف کی ملاقات غالباً 2006ء میں جامعۃ البنات حیدرآباد میں ہوئی، مولانا کا نام راقم الحروف نے صغرسنی ہی سے سن رکھا تھا، ایام طالب علمی میں کچھ تحریریں جامعہ رشیدیہ بھور اعظم گڑھ اور جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور اور دارالعلوم دیوبند میں دیکھی تھیں، جس کی وجہ سے مولانا کی علمی قدر ذہن ودماغ میں ثبت تھی، مولانا سے جب ملاقات ہوئی اور انہوں نے ناچیز کا تعارف پوچھا تو موضع بھور اور والد مرحوم مولانا نجم الدین احیائی کے بتانے پر مولانا زیر لب بڑی دیر تک مسکراتے رہے اور کہا کہ میرا بچپن آپ کے گاؤں میں گزرا ہے اور بڑی دیر تک مولانا شبلی متکلم ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا نجم الدین احیائی اور اپنے استاذ مولانا داؤد اکبر اصلاحی کا ذکر کرتے رہے، کاش کہ وہ باتیں ذہن کے صفحات پر یا کتابت کے پنجرے میں قید ہوجاتیں تو اس مضمون کے وقار میں اضافہ ہوجاتا مگر مشیتِ الٰہی کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ مولانا کا ننہال اور راقم الحروف کا موروثی گھر دونوں کی دیواریں متصل ہیں، مولانا عبد العلیم اصلاحیؒ موضع بھور ضلع اعظم گڑھ کے شیخ ثمر اللہ کے نواسے شیخ محمد ایوبؒ کے بھانجے شیخ محمد فریاد، شیخ محمد نثار، شیخ محمد نیاز کے پھوپھی زاد بھائی ہیں، مولانا نے پہلی ہی ملاقات میں اپنی خالہ محترمہ بدر النساء صاحبہ کا ذکر کیا اور فرمانے لگے کہ میری تعلیم وتربیت میں میری خالہ کا اہم کردار ہے۔ راقم الحروف کو بہت اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ نہ ہی عید تھی اور نہ ہی بقرعید مگر ہمارے پڑوسی نئے لباس اور نئی امنگ کے ساتھ مسجد کی طرف جارہے تھے اور گھر میں بلکہ یوں کہا جائے کہ پورے محلّہ میں خوشی کا ماحول ہے۔ غالباً میں نے اپنی دادی یا والدہ سے پوچھا کہ ہمارے پڑوس میں بہت خوشی نظر آرہی ہے آخر کیا بات ہے، کہنے لگیں بدر النساء پھوپھی (بوبو) بمبئی سے آئی ہوئی ہیں، محترمہ بدر النساء صاحبہ مرحومہ کو جب میں نے دیکھا نہایت ہی وجیہ، ہاتھوں میں تسبیح، خواتین وحضرات بچے اور بچیوں سے ایک ہی سوال نماز آپ لوگوں نے پڑھا، نماز کی تلقین کرنا، قرآن شریف کی تلاوت پر راغب کرنا، اچھی بات کرنا، خیریت پوچھنا، حوصلہ کی بات کرنا، اور وہ بمبئی سے کھانے، پہننے کی اشیاء کافی مقدار میں لاتی تھیں، جیسا ان کو محسوس ہوتا اسی اعتبار سے تحفہ تحائف تقسیم کرتیں، سبھی کو عزت دیتیں اور سبھی سے عزت پاتیں، خداوند قدوس محترمہ بدر النساء صاحبہ کی مغفرت، جنت الفردوس اور ان کے درجات کو بلند فرمائے، آمین یارب العالمین۔

وقت کی رفتار گزرتی رہی مولانا سے کئی ملاقاتیں پروگرام یا تقریب میں ہوئی جب جب ملاقات ہوئی مولانا نے شفقت کا معاملہ فرمایا، اور مولانا سے ملنے کے بعد یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہم نے موسم گرما میں سایہ دار درخت پالیا۔

وطن مالوف اعظم گڑھ یوپی سے میرے برادر کبیر مولانا مساعد ہلال احیائی حیدرآباد آئے ہوئے تھے، ان کی دیرینہ خواہش تھی کہ مولانا عبد العلیم اصلاحی سے شرف ملاقات ہو، راقم الحروف سے یہ بات طے ہوئی کہ کل بعد نماز ظہر یا قبل ملاقات کے لئے جایا جائے گا، ہم لوگ دوسرے دن مولانا سے ملاقات کی تیاری ہی کررہے تھے کہ اسی اثنا میں ٹیلی ویژن اور دیگر ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ مولانا کے بیٹے محمد مجاہد گجرات کے انسپکٹر کی گولیوں سے شہید ہوگئے، اور شہر حیدرآباد میں حالات خراب ہیں، محلّہ سعید آباد حیدرآباد مولانا کے مکان پر پہنچنے کی کوشش کی گئی مگر پولس کی رکاوٹ

حائل ہوگئی، پورا شہر اس وقعہ سے دہل گیا سبھی مغموم تھے۔ دوسرے روز اخبارات میں تفصیل آئی، تعزیت کے لئے ہم دونوں بھائی مدرسہ جامعۃ البنات حیدرآباد پہنچے، مولانا کے چہرے پر فتح کے آثار دکھائی دیئے اور بڑی جرأت سے یہ کہا اللہ کو یہی منظور تھا، اور مجھے دنیا کی کوئی چیز کی ضرورت نہیں اللہ ہی بدلہ دے گا، کتابوں میں صحابہ اور مجاہدین کے واقعات بہت سی مرتبہ پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا مگر مولانا ابوالمجاہد سے ملنے کے بعد قدیم بہادروں کے واقعات تازہ ہوگئے۔ دل سے دعا نکلی کہ مولانا اور ان کے گھر والوں کو اللہ رب العزت صبر جمیل دے اور دونوں جہان میں بہترین بدلہ دے (آمین)

ہندوستان جمہوری ملک ہے، اس وجہ سے ملک کے سسٹم میں ہر پانچ سال میں عوام اپنا نمائندہ منتخب کرتی ہے، حیدرآباد میں کئی سیاسی جماعتیں ہیں، تقریباً ہر جماعت کے اہم اور خاص ممبران الیکشن کے درمیان مولانا سے دعا اور تائید کے طور پر ملاقات کیا کرتے، ایک یا دو مرتبہ محترم فیصل بن عبداللہ بلعلہ کے ساتھ الیکشن کے دوران ملاقات ہوئی، محبت کی نگاہ سے مسکراتے ہوئے گویا ہوئے کہ میں دعا گو ہوں جو حق ہو وہی کامیاب ہوجائے، مولانا کو شریعت الٰہی کے علاوہ کوئی بھی طریقہ مصلحتاً بھی پسند نہیں تھا، اس وجہ سے وہ ووٹ کے معاملہ میں سکوت یا دور رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شہر کے مشہور و معروف عالم دین کا مضمون ووٹ کی شرعی حیثیت کے عنوان سے روزنامہ منصف میں چھپا، اسی دن کسی کام کی وجہ سے جانا ہوا تو مولانا سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے راقم الحروف کے سامنے اخبار کا وہ حصہ جس میں ووٹ کی شرعی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے فرمایا کہ مولانا دیکھئے کیا ہندوستان کے انتخاب کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا جاسکتا ہے! کیا اسلام میں جمہوریت ہے؟ مولانا میٹھے لہجے میں سوالات کے انبار لگادئے، راقم الحروف نے سارے سوالات بغور سنے، اسی اثنا میں مجھے حضرت مفتی صادق قاسمیؒ میرٹھی کے وہ سارے جملے یاد آگئے جو کہ انہوں نے مجھ سے انفرادی طور پر کسی موقع پر کہا تھا کہ مولانا عبد العلیم اصلاحی کو علوم قرآن اور تدبر قرآن پر ید طولیٰ حاصل ہے، مولانا اصلاحی کو درس نظامی پر دسترس حاصل ہے۔ مولانا اصلاحی کی فکر وعمل پر ہمارے ملک ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں شاید وباید ہی کوئی شخصیت ملے، کیوں کہ ان کی فکر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، علامہ ابن تیمیہؒ، مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا پرتو نظر آتا ہے۔

مولانا اصلاحیؒ داخلی اور خارجی دونوں جگہوں میں آزمائشوں میں گھرے رہے مگر انہوں نے:

اپنے بھی خفا ہم سے ہوں بے گانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

جامعۃ البنات سعیدآباد کے مولانا اصلاحی ناظم تھے جس کو انہوں نے اپنی خون جگر سے پروان چڑھایا تھا، جامعۃ البنات کی شناخت پورے ملک میں مولانا اصلاحیؒ نے کرائی کیونکہ ان کا مشن تھا معاشرے میں نیک خاتون کی ٹیم (جماعت) تیار کرنا، ایک طرف جماعت اسلامی کے لوگ مدرسہ جامعۃ البنات سے دور رہورہے تھے تو دوسری طرف مولانا اصلاحی کے قریبی رفقاء دور ہونے لگے، پوری صورت حال سے تو صرف اللہ ہی واقف ہے، بہرحال بادل نخواستہ مولانا نے جامعۃ البنات سے دوری اختیار کرلی اور جامعۃ البنات الاصلاحیہ کے نام سے اپنے مشن کو جاری رکھنے کے لئے بڑے حوصلے کے ساتھ مدرسہ کی بنیاد رکھی، ان

حالات میں مولانا سے ملنے کا موقع ملا جسمانی طور پر کچھ کمزور دکھائی دے رہے تھے مگر باتوں اور فکروں میں وہی فکری لاوا پک رہا تھا، مولانا کم سخن تھے مگر ان ایک جملہ سخنوروں پر بھاری ہوتا تھا، مولانا راقم الحروف کا نام لیتے ہوئے کہا: کام تو کرنا ہی ہے۔

راقم الحروف نے اپنے چند رفیقوں کو ساتھ لے کر انیسویں اور بیسوں صدی کی مشہور شخصیت علامہ شبلی نعمانی کی فکر کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اکتوبر 2016ء شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کی بنیاد رکھی، اور ایک ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد کے نام سے شائع ہونے لگا، چند ماہ کے بعد مولانا اصلاحیؒ سے جامعۃ البنات الاصلاحیہ ملک پیٹ میں ملنے کا موقع ملا، مولانا ٹرسٹ اور ماہنامہ صدائے شبلی سے واقف ہو چکے تھے۔ مولانا نے کہا کہ آپ نے اچھا کام کیا ہے، خلوص اور ہمت سے کام کیجئے اور علامہ شبلی کے تعلق سے فرمایا کہ علامہ علی گڑھ، ندوۃ العلماء لکھنؤ، حیدرآباد کہیں پر بھی اپنی فکر سے سمجھوتہ نہیں کیا اور اپنے معاونین اور شاگردوں کو عزت دی اور غالباً یہ شعر بھی پڑھا:

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی
مجھے چند مقیم آستانِ غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتم
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

اس دن مولانا سے طویل گفتگو ہوئی، مولانا نے ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کی دو ممبر شپ لی، ایک اپنے لئے اور ایک مدرسہ کے لئے اور قیمت بھی ادا کروادی۔ مولانا کی حوصلہ افزائی نے ٹرسٹ کے عزائم و مقاصد پورا کرنے میں نئی روح پھونک دی، اللہ تعالیٰ مولانا اصلاحیؒ کو اس کا بہترین بدلہ دے، آمین۔

مولانا نے اسی ملاقات میں اپنے خالہ زاد بھائی ڈاکٹر محمد اجمل کا بھی ذکر کیا اور کہنے لگے کہ ڈاکٹر اجمل جامعۃ البنات کا اور میرا بہت خیال رکھتے ہیں، راقم الحروف نے کہا کہ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ موضع بمھور میں، میں نے بھی ان سے علاج کے سلسلے میں تشخیص لی ہے۔ ان کے دل میں ملت کی ہمدردی اور انسان کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اللہ رب العزت ڈاکٹر اجمل صاحب کو صحت و تندرستی کے ساتھ سلامت رکھے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے آمین۔ اسی ملاقات میں، میں نے مولانا سے کہا کہ آپ مجھے جامعۃ البنات الاصلاحیہ کا یک فرد سمجھئے، اس کے بعد جب بھی جامعۃ البنات الاصلاحیہ میں کوئی پروگرام یا دعوت کا اہتمام ہوتا تو راقم الحروف کو مفتی جاوید قاسمی معلم جامعۃ البنات الاصلاحیہ کے ذریعہ یا کسی معلّمہ سے فون کرا کے مولانا مجھے ضرور یاد کرتے۔ الاصلاحیہ مجلّہ جاری کیا تو ناچیز سے اس پروگرام کی نظامت کروائی، پروگرام کے بعد مسکراتے ہوئے تعریفی کلمات کہے، بڑا آدمی وہی جو ذہنی طور پر بڑا ہو، اور ہر بڑا آدمی دوسرے کو بڑا بناتا ہے، مولانا نے کتنوں کو بڑا بنایا ہے اس کا علم تو اللہ ہی جانتا ہے۔

کوویڈ 19 سے پوری دنیا متاثر ہوئی بالخصوص تعلیم گاہیں بہت متاثر ہوئیں، مدارس کی اس ذہنی، مصنوعی یا حقیقی وبا نے کمر توڑ کر رکھ دی، کچھ حالات سازگار ہوئے تو کسی کام سے سعید آباد جانا ہوا، مولانا سے جامعۃ البنات الاصلاحیہ میں ملاقت ہوئی، عمر اور حالات کی وجہ سے کچھ کمزور دکھائی دے رہے تھے، گفتگو کے وقت بھی کچھ فرق محسوس ہو رہا تھا، مولانا اس مرتبہ ملت کی فکر میں غرق تھے، نہ جانے کیا سوچ

رہے تھی تھوڑی دیر کے بعد متوجہ ہوئے حال چال پوچھا، گاؤں گئے کہ نہیں، دیکھ رہے ہیں دنیا کیسے کروٹ لے رہی ہے۔ زبان سے الفاظ نکل رہے تھے، مشیت الٰہی پر راضی بہ رضا دکھائی دے رہے تھے، اور یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ہمارا کام ہے محنت اور لگن سے کوشش کرنا۔ چنانچہ انہوں نے ان ناگفتہ بہ حالات میں بھی اپنے مدرسین، معلمات، ملازمین کا پورا خیال رکھا۔ راقم الحروف کی اس مشاہداتی زندگی میں بہت کم ایسے لوگوں کو پایا ہے جو کہ اپنے ناظم سے خوش رہے ہوں، سابقہ حالیہ مدرسین سے جب بھی ملاقات ہوتی تھی تو سبھی مولانا کے تعلق سے بڑی اچھی رائے کا اظہار کرتے اور یہ بھی کہتے کہ مولانا وقت پر تنخواہ دیتے ہیں اور بڑے سلیقے سے تربیت اور کام لیتے ہیں۔

سورج ہوں روشنی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

مولانا اصلاحیؒ ۳۱؍جنوری ۱۹۳۴ء موضع بندی گھاٹ (اب ضلع مئو) اعظم گڑھ یوپی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم جناب محمد نسیم صاحبؒ کو علاقہ میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، آپ کی ابتدائی تعلیم موضع بندی گھاٹ اور ننیہال موضع بھورا اعظم گڑھ میں ہوئی، بعدہ ملک کی مشہور ومعروف درسگاہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ سے ۱۰؍ مئی ۱۹۵۳ء میں سندِ فضیلت سے سرفراز ہوئے، مولانا اصلاحیؒ مدرسۃ الاصلاح کے ممتاز طلباء میں سے ایک تھے، پڑھنے کے زمانے میں انہیں نمایاں مقام حاصل تھا اور اس عرصہ میں مدرسۃ الاصلاح میں ممتاز مشفق علوم وفنون کے ماہر اساتذہ موجود تھے، جن کی خوشہ خرمن سے مولانا اصلاحیؒ نے اپنا دامن بھر لیا جس سے وہ تاحیات مستفید ہوتے رہے، جس کا اظہار مولانا کی زبان سے بار بار ہوتا تھا۔ مولانا مدرسۃ الاصلاح سے فراغت کے بعد چند ماہ مدرسہ کے بحیثیت نگراں رہے، تحقیق وتصنیف کا ذوق مولانا کی گھٹی میں تھا اس وجہ سے دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ میں تقریباً ڈیڑھ سال قیام کیا، تھوڑے عرصے تک الٰہ آباد میں قیام کیا، اس کے بعد ملک کی مشہور درسگاہ جامعہ مظہر العلوم بنارس میں پندرہ سال 1956ء تا 1970ء استاذ، نگراں، صدر مدرس کے عہدے پر فائز رہے، مولانا نے مدرسہ کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی کی سرگرمیوں میں خوب حصہ لیا۔ اور علاقے میں فرمانِ الٰہی سنتِ نبویؐ کی نشر واشاعت میں پیش پیش رہے۔ بنارس سے آپ لوگوں کے اصرار پر جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ میں استاذ مقرر ہوئے، بعدہ اراکین مدرسۃ الاصلاح کے اصرار کی وجہ سے مولانا اصلاحی مدرسۃ الاصلاح تشریف لے گئے، ذمہ داروں نے آپ سے صدر مدرس کے پروقار عہدہ کی ذمہ داری دی، مولانا مدرسۃ الاصلاح میں چند سال رہنے کے بعد مستعفی ہوکر ۱۹۷۳ء میں جامعہ دارالہدیٰ کریم نگر آندھرا پردیش تشریف لے گئے۔ ۱۹۸۱ء میں جامعہ دار الہدیٰ کریم نگر سے پہاڑی شریف حیدرآباد منتقل ہوگیا تھا تو مولانا بھی حیدرآباد آگئے، جماعت اسلامی کے اراکین اور مولانا کے مشورے سے ۱۹۸۸ء میں جامعۃ البنات کا سعید آباد میں قیام عمل میں آیا تو مولانا کو مدرسہ کا بانی وناظم بننے کا شرف حاصل ہوا۔

داخلی اور خارجی شہادتوں کی بنیاد پر یہ پتہ چلتا ہے کہ لڑکیوں کی باضابطہ تعلیم کا انتظام حیدرآباد میں اس کا سہرا مولانا اصلاحی کے سر جاتا ہے، خداوند قدوس اس کاوش پر آپ کو بہترین بدلہ دے گا، کیوں کہ اس کے بعد آندھرا پردیش اور ملک میں اس نہج کو مشعل راہ بناتے ہوئے ملت

کے متفکرین چراغ سے چراغ جلا رہے ہیں اور یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ مولانا ان کاموں کے ساتھ ساتھ اپنے خیالات قلمبند کرتے رہے جس کی وجہ سے ان کی تقریباً ۱۵ کتابیں منظر عام پر آئیں، ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) دار الاسلام دار الحرب (۲) نظام وخلافت وامارت کی شرعی حیثیت (۳) ملت کے دفاع کا مسئلہ (۴) بابری مسجد سے دستبرداری شرعاً جائز نہیں (۵) جاہلیت کے خلاف جنگ (۶) صحیح اسلامی فکر کیا ہے (۷) سیکولر جمہوری نظام - الیکشن - تحریک اسلامی (۸) ہندوستان میں مسلم سیاست کیا ہو (۹) مجسموں کا مسئلہ ایک سیر حاصل بحث (۱۰) مساجد اللہ (۱۱) طاقت کا استعمال قرآن وحدیث کی روشنی میں (۱۲) لا اکراہ فی الدین (۱۳) زکوٰۃ کی اہمیت (۱۴) راہِ سعادت (طریق الہجرتین وباب السعادتین للعلامہ ابن قیم الجوزی (۱۵) وسائل تربیت (عربی سے ترجمہ)۔

مولانا اصلاحی کی تصنیفات کے ناموں سے بھی ان کی فکر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ان کتابوں کے علاوہ مولانا اصلاحیؒ کے بہت سے مضامین رسائل وجرائد اور روزنامے میں شائع ہوتے رہے ہیں، راقم الحروف نے کئی مرتبہ ان کے شائع مضامین کا مطالعہ کیا ہے۔ مولانا اصلاحیؒ کے کمالات واوصاف کا احاطہ کرنا مشکل کام ہے، بس اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ "رجلان تحابّا فی اللہ اجتمعا علیہ وتفرقا علیہ" پر عمل پیرا تھے۔ اچھی طرح ملنا، بامقصد باتیں کرنا، کام آنا اور مہمان نوازی ان کا طرۂ امتیاز تھا، مولانا چند ماہ سے مسلسل بیمار چل رہے تھے، آخر وہ وقت آہی گیا۔ ۲۷ ستمبر ۲۰۲۲ء کی تاریخ تھی، عصر سے کچھ قبل موبائل میں میسج چیک کر رہا تھا تو اس میں جگہ جگہ مولانا کے انتقال کی خبر تھی، انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ تھوڑی دیر یہ سوچتا رہا آہ مولانا اصلاحیؒ وہ شفقتیں، محبتیں، وہ علمی جوشیلی باتیں یاد آنے لگیں۔ بعد نماز مغرب راقم الحروف تعزیت کے لئے مولانا کے مکان پر پہنچا، مولانا کے صاحبزادے محمد معتصم اور مولانا کے نواسے، مخبین، متعلقین، اعزہ واقارب اور پورا سعید آباد مجسم غم بنا ہوا تھا، مولانا کا دیدار ہوا دیکھ کر محسوس ہو رہا تھا کہ مولانا نفس مطمئنہ کی طرح سوئے ہوئے ہیں، بہت کم لوگوں میں یہ کیفیت دکھائی دیتی ہے، مولانا کا چہرہ مالک حقیقی سے ملنے کے بعد نور بکھیر رہا تھا، راقم الحروف اپنی دلی کیفیات کو ضبط تحریر نہیں کرسکتا، محمد معتصم اور نواسوں کو تسلی دی، مشیت الٰہی پر راضی بہ رضا سمجھتے ہوئے دعاؤں کا اہتمام کرنے کے لئے کہا، اس وقت یہ بھی احساس ہوا کہ ابھی مولانا مسکراتے ہوئے کہیں گے محامد بیٹھئے۔ ۲۸ ستمبر ۲۰۲۲ء بعد نماز فجر شہر کی مشہور مسجد، مسجد اُجالے شاہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی، سعید آباد روڈ سے متصل قبرستان میں تدفین ہوئی، جب مولانا کی قبر پر مٹی ڈالی جارہی تھی تو احساس ہوا کہ ہم مٹی ضرور ڈال رہے مگر آپ کی فکر اور آپ کا کام ان شاء اللہ پس مرگ زندہ ہونے کی یاد دلاتا رہے گا۔ تدفین کے بعد قبلہ رخ کھڑے ہوکر حاضرین دعائیں اور ایصال ثواب کر رہے تھے اور سبھی زبان حال وقال سے گویا تھے کہ اے اللہ مولانا کی مغفرت اور ان کو اعلیٰ درجات نصیب فرما، آمین یارب العالمین۔ پسماندگان ان کی اہلیہ، فرزند، دختران، نواسے، نواسیاں اور سبھی متعلقین کو صبر جمیل دے اور مولانا کی فکروں کو وسعت دینے کی توفیق دے، آمین یارب العالمین۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

از: ڈاکٹر ابو زاھد شاہ سید وحید اللہ حسینی القادری الملتانی
کامل الحدیث جامعہ نظامیہ، حیدرآباد (Osm)M.A., M.Com., Ph.D

عالمی اضطراب، اُسوۂ حسنہ سے دوری کا نتیجہ ہے

صناع مکین و مکان، خلاق زمین و آسمان نے اپنی قدرت کاملہ اور کرشمۂ ہمہ دانی یعنی لفظ ''کن'' سے ایسی عمدگی و ترتیب سے کائنات کی تخلیق فرمائی جو نہ صرف اپنے حسن و رعنائی میں ہر عیب و نقص سے مبرا ہے بلکہ کسی بھی ترمیم و تبدیلی کی گنجائش و اندیشہ سے بھی ماوراء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات کی ہر شئی طوعاً و کرھاً خدا لم یزل کی اطاعت و انقیاد میں ہر آن مصروف و منہمک ہے۔ تو دوسری طرف انسان کو اللہ تعالی نے ظاہری و باطنی حسن و کمال میں بہترین سانچہ میں پر پیدا فرما کر نہ صرف ''احسن تقویم'' قرار دیا بلکہ خلافت کی خلعت فاخرہ سے سرفراز فرما کر ساری کائنات میں ''اشرف المخلوقات'' بنادیا۔ قرین قیاس تو یہ تھا کہ دیگر مخلوقات کے مقابل انسان ہر لحظہ عبادت الٰہی میں مشغول رہتا لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ اس لیے ہے چونکہ اللہ تعالی نے اس کی فطرت میں اچھائی اور برائی دونوں صلاحیتوں کو ودیعت فرمایا ہے۔ جب انسان ہوائے نفس اور خطوات شیاطین کی پیروی کرتا ہے تو ''اسفل سافلین'' پہنچ جاتا ہے اور جب اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہوتا ہے ''اعلی علیین'' کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے ''یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالی نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے انہیں قرآن اور سنت اگرچہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے'' (سورۃ آل عمران آیت نمبر 164) یعنی رحمت عالم ﷺ کی April, 57120 میں تشریف آوری سے پہلے ساری انسانیت بے راہ روی و گمراہی، ذلت و رسوائی، فریب و عیاری میں غرق ہو چکی تھی۔ یہ محض رب قدیر کا لطف عمیم اور احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنے محبوب کے اسوہ حسنہ کی جلوہ طرازیوں سے تاریکی کو روشنی میں تبدیل کر دیا۔ پیر طریقت ابوالعارف حضرت شاہ سید شفیع اللہ حسینی القادری الملتانی حفظہ اللہ تعالی سجادہ نشین درگاہ پیر قطب المشائخ حضرت شاہ سید پیر حسینی القادری الملتانی محقق امام پورہ شریف ارشاد فرماتے ہیں کہ ''جہاں ایک طرف ذات رسالت سے وابستگی انسانی سعادت کا ایسا سرچشمہ ہے جس سے شقاوت و حرمان، غمگینیاں و سرگشتگیاں یکسر ختم ہو جاتی ہیں تو دوسری طرف اسوہ حسنہ سے دوری انسان کو ''اولئک کالانعام بل ھم اضل'' کا مصداق بنادیتی ہے'' مسلمان جو کبھی خیرات و حسنات میں مسارعت اور مسابقت پیدا کرنے کی سعی و جستجو کیا کرتا تھا وہ آج اسوہ حسنہ سے دوری کے سبب مادہ پرستی کے نشہ میں اس قدر غرق ہو چکا ہے کہ اس کی زبان پر ہمیشہ ''ھل من مزید'' کا نعرہ رہنے لگا ہے یہی وجہ ہے کہ ''خیر امت'' آج نہ صرف اپنے منصب امامت سے محروم ہو چکی ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں محکوم و مقہور ہوتی جارہی ہے۔ ہمارے پاس کئی ایک آزاد مملکتیں ہونے کے باوجود کئی ایک مسلم ممالک میں نانِ شبینہ کا حصول بھی ایک سنگین مسئلہ بن چکا

ہے جبکہ اسوہ حسنہ پر کاربند رہنے والے بنو امیہ کے خلیفہ راشد حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز (62-101ھ م 682-720ء) کے عہد مبارک میں زکوۃ، صدقات و خیرات لینے والے بھی مشکل سے ملتے تھے۔ مسلمان ہر روز نماز میں یہود و نصاری کی روش سے بچانے کی دعا مانگتے ہیں لیکن صد حیف کہ اسوہ حسنہ سے ہماری دوری نے ہمیں اس مقام پر پہنچا دیا کہ ہمارے مقدرات کا فیصلہ اب یہی اقوام کر رہی ہیں۔ جب بھی ہم مرقع ہر خوبی و زیبائی کی بتائی ہوئی شاہراہِ رشد و ہدایت سے سرِ مُو منحرف ہوں گے تو گمراہی و ذلت یقینی ہے۔ حضرت سیدنا ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے فرمایا رسول ذی حشم ﷺ نے وہ ارباب حکومت قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ مبغوض اور سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے جو ناانصافی کے ساتھ حکومت کریں گے۔ (جامع الترمذی) چونکہ جب حکومت ظلم و طغیان، جبر و استبداد کا سہارا لیکر مطلق العنانی میں تبدیل ہو جاتی ہے تو اہل اقتدار اور عوام الناس میں مناقشت (نزاع) کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے جس کے زیر اثر علم و ہنر کا پروان چڑھنا محال ہو جاتا ہے، عوام محنت و مشقت کی بجائے تن آسانی اور تساہلی سے کام لینے لگتے ہیں اور جو قوم محنت و مشقت اور علم و ہنر سے محروم ہو جاتی ہے وہ کبھی ترقی کے زینے طئے نہیں کرتی بلکہ قلق و پریشانی، نکبت و ذلت کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے۔ تاریخ اسلام شاہد ہے اسوہ حسنہ سے دوسری کے سبب مذکورہ بالا طرز عمل دانش ایمانی و برہانی سے کورے مسلم حکمرانوں میں بہت جلد سرایت کر جاتا ہے اور وہ ہمیشہ دولت و موقعہ پرستی، دنیوی مصلحت پسندی اور مادی ترقی و اصلاح کو کامیاب زندگی کا محور سمجھتے ہیں۔ اگر ان باطل نظریات میں رمق برابر صداقت و سچائی ہوتی تو اس عدیم النظیر ترقی یافتہ دور میں کوئی انسان پریشانی اور مفلوک الحالی کا شکار نہ ہوتا، آج انسان ہر میدان میں ترقی حاصل کرنے کے باوجود مضطرب و بے چین نظر آتا ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ کسی بھی امر کی انجام دہی کے لیے صلاحیت کے ساتھ صالحیت از حد ضروری ہوتی ہے صالحیت کے عنصر کا ہی فقدان ہے کہ مسلم حکومتیں ہزیمت و رسوائی کا شکار ہو رہی ہے اور تیزی سے زوال پذیر ہو رہی ہیں عالم اسلام بشمول مصر، تیونس، لیبیاء، الجزائر، اردن، شام، سوڈان وغیرہ میں رونما ہونے والا حالیہ واقعات و انقلابات اس کی بین دلیل ہے۔ کاش کہ ہماری زندگی **حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا** (کنزل العمال) کے زریں اصول پر کاربند ہوتی تو یہ حالات رونما نہ ہوتے۔ بجائے اس کے کہ ہم عبرت پذیری اور موعظت انگیزی سے کام لیتے ہم آج بھی دنیا کی لالچ و محبت میں پھنسے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ہماری داستانِ غفلت مزید طول پکڑ رہی ہے اور شبِ تغافل کے ختم ہونے کے مستقبل قریب میں بھی کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے (العیاذ باللہ)۔ رسول رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص رشوت یا کسی حرام طریقے سے پلا ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا اس کے لیے تو آگ (دوزخ) ہی بہتر ہے (طبرانی) آقائے رحمت ﷺ کے اس فرمان عالیشان کو فراموش کرنے کا ہی وبال ہے کہ ساری دنیا بالخصوص ہمارے ملک ہندوستان کو بے شمار مسائل درپیش ہیں جن میں سرفہرست رشوت کی لعنت ہے جس کا چلن اب تعلیمی اور رفاہی و فلاحی اداروں میں بھی عام ہونے لگا ہے۔ رشوت خوری کے ناسور نے سارے نظامِ حکومت کو مفلوج اور تقسیم و گردش دولت کے عادلانہ و منطقی نظام کو معطل کر کے رکھ دیا ہے، دولت کے ارتکاز کے باعث عدم توازن معاشرہ کا جز لاینفک بنتا جا رہا ہے۔ 2010ء میں رونما ہونے والے

2G اسپیکٹرم، کامن ویلتھ گیمس، انڈین پریمیئر لیگ، ستیم اسکامس (گھوٹالے) میں اندازاً 2,15,000 کروڑ روپئے کا گھوٹالہ ہوا ہے۔ یہ وہ بدعنوانیاں ہیں جو منظر عام پر آئی ہیں نہ جانے کتنے اور ایسے گھوٹالے ہوں گے جو پردۂ راز میں مخفی ہیں۔ ان گھوٹالوں کے منفی اثرات مہنگائی اور بیروزگاری کی شکل میں دنیا کی دوسری بڑی آبادی پر مرتب ہورہے ہیں۔ ایسا بھی نہیں کہ ہندوستان میں ماہرین معاشیات کی کوئی کمی ہے۔ ہمارے ملک کے موجودہ وزیراعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ معاشی اصلاحات لانے میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ 1998ء میں دنیا نے معاشی شائنس میں ہماری صلاحیتوں کا لوہا مان چکی ہے اور پروفیسر امرتیا سین کو نوبل انعام سے نواز چکی ہے۔ رشوت خوری کے اس گرم بازاری میں مسلمانوں کے لیے سنہری موقع ہے کہ وہ عملی طور اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہوجائیں اور رشوت کی مخالفت کریں تاکہ دیگر ابنائے وطن بلکہ سارے عالم میں بسنے والے انسانوں کو حلقہ بگوش اسلام ہونے کا موقع مل سکے۔ چونکہ Transparency International نامی غیر مسلم ادارہ نے اس بات کا حیرت انگیز انکشاف کیا کہ ہمارا ملک رشوت خوری کے معاملہ میں سارے عالم میں 87ویں مقام پر ہے۔ اندازہ کیجیے کہ دنیا میں رشوت کی لعنت کتنی پھیل چکی ہے اور اس کی وجہ سے کتنے انسانی حقوق پامال ہورہے ہوں گے؟ اس ادارہ نے رشوت خوری میں سب سے فہرست ڈنمارک کو قرار دیا ہے۔ جہاں کے کچھ متعصب باشندوں نے حال ہی میں اہانت رسول جیسے سنگین جرم کا ارتکاب کیا تھا کاش یہ لوگ غلامی مصطفیٰ ﷺ کو اپنے لیے خضر راہ بناتے ہوئے رشوت خوری سے اجتناب کرتے تو ان کا ملک اس ذلت سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ ہماری بے راہ روی، مفاد پرستی، حلال وحرام کے حدود کی پامالی اور رشوت خوری نے ہماری زندگیوں میں زہر گھول دیا ہے تو دوسری طرف رشوت سے حاصل کی ہوئی غیر قانونی رقم کو ہم قانون سے بچنے کے لیے یہود ونصاریٰ کے بینکوں میں منجمد کررہے ہیں اور وہ اپنی بالادستی برقرار رکھنے کے لیے اس کا آزادانہ استعمال کررہے ہیں۔ ہمارے اسلاف کی زندگیاں رشوت کی لعنت سے پاک تھیں چونکہ وہ مومن تھے اور مومن حقائق عالم اور اسرار کائنات کی حقیقتوں سے واقف ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن صد حیف کہ ہماری مومنانہ فراست پر مادیت کے دبیز پردے پڑ گئے ہیں اور ہم دنیا ومافیہا کی محبت میں گرفتار ہوکر راہ راست سے ہٹتے جارہے ہیں۔ ہماری زندگی کی تگ ودو اور مقصدِ حیات صرف اور صرف حصول دولت واقتدار اور شہرت و ناموری تک محدود ہوکر رہ گیا ہے۔ تاریخ انسانی شاہد ہے کہ حکمرانوں اور بادشاہوں کی عظمتوں کے ڈنکے موقتی طور پر بجتے رہے بالآخر وہ شہر خموشاں میں ہمیشہ کے لیے گمنام ہوگئے ان کے محلات کھنڈروں میں تبدیل ہوچکے ہیں اس کے برعکس وہ مبارک ہستیاں جو اپنے اعمال وکردار کو اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھال کر انتہائی سادگی اور فروتنی کے ساتھ زندگی گزار کر اس دنیا سے رخصت ہوگئے اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمتوں کو وہ دوام عطا فرمایا جو رہتی دنیا تک قائم اور باقی رہے گا ان مبارک ہستیوں کے بافیض آستانے آج بھی بلا لحاظ مذہب وملت مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں۔ اب فیصلہ ہمیں کرنا ہے کہ کس راہ پر چلنا اور کس روش سے اجتناب کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جملہ انسانی کمالات کے مظہر اتم کے اسوہ حسنہ کے محاسن و کمالات اور فوائد وثمرات سے کما حقہ بہرہ ور ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین طہٰ ویسین۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد ناظم علی۔سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج موڑتاڑ واکیڈیمک اسٹیٹ ممبر، تلنگانہ یونیورسٹی نظام آباد

''عصر حاضر میں اردو ترجمہ نگاری' مسائل اور امکانات''

دوروزہ قومی سمینار زیر اہتمام شعبہ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد ۶۔۷ مارچ ۲۰۲۳

ہندوستان کی جامعات میں جو شعبہ جات اردو قائم ہیں ان میں حیدرآباد دکن میں واقع مرکزی جامعہ یونیورسٹی آف حیدرآباد کا شعبہ اہمیت کا حامل ہے اس شعبے سے جہاں نامور اساتذہ پروفیسر گیان چند جین پروفیسر مجاور حسین رضوی' پروفیسر سیدہ جعفر' پروفیسر ثمینہ شوکت' پروفیسر محمد انورالدین اور پروفیسر رحمت یوسف زئی وابستہ رہے اسی شعبہ کے ایک فعال پروفیسر فضل اللہ مکرم بھی ہیں جو اپنی ہمہ جہت صفات اور فروغ اردو کے کاموں میں مہارت کے سبب ہندوستان بھر کے اردو حلقوں میں مقبول ہیں۔ان کے زیر سرپرستی شعبہ اردو کی جانب سے دوروزہ قومی سمینار بہ عنوان ''عصر حاضر میں اردو ترجمہ نگاری' مسائل اور امکانات'' یونیورسٹی کیمپس کے ڈاکٹر ذاکر حسین آڈیٹوریم میں ۶ اور ۷ مارچ کو منعقد ہوا۔

پروفیسر فضل اللہ مکرم نے ایک مہینہ پہلے سے اس سمینار کی تیاری شروع کردی اور بذریعہ فون اس موضوع سے متعلقہ سبھی اساتذہ اور اسکالرز کو سمینار میں شرکت کے لیے مدعو کیا۔ جہاں تک سمینار کے موضوع اور امکانات کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو میں ترجمے کی روایت بہت قدیم ہے۔شاہ میراں جی شمس العشاق سے لیکر آج تک ترجمہ کا عمل جاری وساری ہے۔مذہبی' علمی' ادبی' نثری' منظوم' قانونی' طبی' عدالتی' روحانی تراجم کا رواج جاری ہے۔اس فن کے تقاضوں پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ترجمے کے باقاعدہ اصول مرتب نہیں ہوئے۔لیکن پھر بھی مترجمین دو زبانوں پر عبور حاصل کرتے ہوئے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کررہے ہیں۔ترجمے سے مختلف علوم وفنون تہذیب وتمدن معاشرت عمومی حالات واقعات سے آگہی ہوتی ہے۔زبان کو وسعت حاصل ہوتی ہے۔ترجمہ اصل کی اصل ہونا چاہیے لیکن یہ اصل کی نقل مانا جاتا ہے۔

۶ مارچ کی صبح یونیورسٹی آف حیدرآباد کیمپس کا فطری وقدرتی ماحول دلکش لگ رہا تھا شرکائے سمینار کشاں کشاں چلے آرہے تھے انہیں یونیورسٹی کیمپس پہنچ کر شادابی نصیب ہوئی۔ہوا کے جھونکے چل رہے تھے کچھ مہمان جو دور دراز علاقوں سے سمینار میں شرکت کے لیے نکلے تھے وہ کیمپس کے گیسٹ ہاؤز میں ایک دن پہلے ہی پہنچ چکے تھے ڈاکٹر ذاکر حسین آڈیٹوریم جشن اردو کا سماں پیش کررہا تھا۔ لوگوں کے ہنستے کھلتے چہرے طرب وانبساط کا پیکر تھے۔شائد ان کے لیے موضوع نیا ہو۔اور موضوع سے ذوق وشوق رکھتے ہو۔صبح ساڑھے دس بجے دو روزہ قومی سمینار کے افتتاحی اجلاس کا آغاز ہوا۔پروفیسر حبیب نثار صدر شعبہ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد نے شرکا کا استقبال کرتے ہوئے دکنی مثنویوں کی تاریخ اور ترجمے پر روشنی ڈالی واجد علی شاہ کی مثنویوں کا بھی ذکر کیا۔پروفیسر فضل اللہ مکرم سرپرست سمینار

وپروفیسر شعبہ اردو نے سمینار کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ ترجمہ اہم شعبہ ہے جس سے اردو زبان و ادب کو فروغ حاصل ہورہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ترجمے کے حوالے سے منعقد ہونے والے اس دو روزہ قومی سمینار میں کشمیر تا کنیا کماری یونیورسٹی اور کالج کے اساتذہ اور ریسرچ اسکالرز اور مندوبین سمینار شرکت کررہے ہیں۔ اس دو روزہ سمینار میں ترجمے کے عمومی مسائل اور امکانات کے حوالے سے مختلف زاویوں و پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ترجمے پر موضوعات کا تنوع ملے گا۔ امید کی جاتی ہے کہ سمینار میں جو کچھ مباحث ہوں گے اس کے علمی وادبی اثرات دیرپا اور دور رس ثابت ہوں گے۔

ڈاکٹر محمد کاشف اسسٹنٹ پروفیسر و کنوینر سمینار نے سمینار کے مقاصد پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور کہا کہ سمینار مقصدی ہے اس سے نہ صرف اساتذہ بلکہ اسکالرز اور اردو ادب کے طلبا کو بیش قیمت معلومات حاصل ہوں گی۔ ترجمہ کیا ہے اس کے مسائل اور امکانات سے آگہی ہوگی۔ مہمان اعزازی اور افتتاحی خطبہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر آر ایس راجو نے دیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہندوستان میں کئی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ یہ ایک کثر لسانی ملک ہے۔ دیسی اور علاقائی بھاشاؤں کی وجہ سے یہاں کی تہذیب وثقافت بھی توانا اور مضبوط ہے۔ اس طرح کے کثیر الجہت ماحول کی مثال دنیا میں مشکل سے ملتی ہے۔ مختلف ریاستوں کی زبانوں میں تال میل ہونا ضروری ہے اور ان میں ترجمہ کا عمل ہوتا رہا تو بہت سے انکشافات اور معلومات سامنے آسکتی ہیں۔ پروفیسر اشرف رفیع سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی نے کہا کہ اردو عالمی زبان بن گئی ہے دنیا کے ہر گوشے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔

ہندوستان کے مختلف اداروں میں سنسکرت فارسی ہندی سے اردو میں ترجمہ ہورہا ہے۔ پانچ سال مین ۹۰ ہزار کتابوں کا ترجمہ ہوا۔ مترجم کو چاہیے کہ وہ دونوں زبانوں پر عبور حاصل کرے۔ دور قدیم میں اصطلاحات سازی پر کام ہوا تھا اب زبانیں نئی اصطلاحات سے معمور ہیں ان کے قابل قبول تراجم دوسری زبانوں میں ہونے چاہیں۔ ثقیل اور ثقہ الفاظ کی تمیز ہونا چاہیے۔ ترجمہ طبع زاد ہو۔ پروفیسر شہاب عنایت ملک ڈین انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس جموں یونیورسٹی نے اپنے خطاب میں کہا کہ اردو میں ترجمے کی صورتحال پہلے جیسی نہیں ملتی۔ پھر بھی شعوری کوشش ہورہی ہے۔ کشمیر مین رنبیر سنگھ کا قائم کردہ دارالترجمہ موجود ہے۔ جس میں ڈوگری اور دیگر کشمیری زبانوں سے اردو تراجم ہورہے ہیں۔

ہندوستان کی ہر جامعہ میں ترجمے کا شعبہ قائم ہونا چاہیے۔ تاکہ زبانوں کو فروغ اور تقویت پہنچے۔ مشینی ترجمہ کی ضرورت ہے لیکن اس کے لیے انسانی مدد لازمی ہے۔ بغیر انسانی مدد کے مشینی ترجمہ مکمل نہیں ہوسکتا۔ پروفیسر ارجمند آرا شعبہ اردو یونیورسٹی آف دہلی نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ ترجمے کے لیے شوق و جذبہ ہونا چاہیے۔ ترجمے سے علم کی ترسیل ہوتی ہے۔ مترجم کو مصنف کے قالب میں اتر جانا چاہیے۔ جس طرح اداکار اپنے کردار میں ڈوب جاتا ہے۔ تو تراجم کے اولین نمونے اسد محمد خاں بھوپال سے ملتے ہیں۔ ترجمہ خیر کا کام بھی ہے مذہبی کتب کے تراجم اس کی مثال ہیں۔ ترجمہ دو تہذیبوں کے درمیان پل کا کام کرتا ہے۔ دونوں میں تخلیقی عمل ہونا

چاہیے۔ پروفیسر ارجمند آرا نے اپنے کلیدی خطبے میں مزید کہا کہ بعض تراجم اصل سے زیادہ عمدہ ہوتے ہیں۔ اس میں محنت مشقت ریاضت ہو تو اصلی روح بھی ترجمے میں منتقل ہوسکتی ہے۔ عصر حاضر میں اردو ترجمہ نگاری اہمیت مسائل اور امکانات پر شعبہ اردو کے صدر اور رفقائے کار کا قابل تحسین اقدام ہے کہ انہوں نے اردو کے سلگتے ہوئے موضوع پر دوروزہ قومی سمینار کا انعقاد کیا۔

پروفیسر رحمت یوسف زئی سابق صدر شعبہ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد نے صدارتی کلمات ادا کرتے ہوئے کہا کہ ترجمہ سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ ترجمہ کا آغاز دکن سے ہوتا ہے ترجمہ دو دلوں کے درمیان رشتہ بھی ہے اس افتتاحی اجلاس کی نظامت ریسرچ اسکالر محمد خوشتر نیکی اور کلمات تشکر ڈاکٹر نشاط احمد اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو نے ادا کیے۔

چائے کے وقفے کے بعد دوروزہ قومی سمینار کے پہلے تیکنکی سیشن کا آغاز ہوا۔ جس کی صدارت پروفیسر اشرف رفیع سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی اور پروفیسر مجید بیدار سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی نے کی۔ ڈاکٹر امان اللہ شعبہ اردو مدراس یونیورسٹی نے ٹامل سے اردو میں ترجمہ شدہ کتب پر روشنی ڈالی۔ پروفیسر شہاب عنایت ملک نے اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ترجمہ ایک مکتب ہے انہوں نے مترجم کو عرق ریزی اور محنت سے کام کرنے کی ضرورت بتائی۔ انہوں نے کہا کہ کشمیر میں دارالترجمہ ۱۸۴۶ء سے قائم ہے۔ مغربی علوم اور متون کے یہاں ترجمے ہوئے۔ پروفیسر رحمت یوسف زئی نے مضمون ہندوستان مین مشینی ترجمہ ایک جائزہ پیش کیا انہوں نے کہا کہ ٹیکنالوجی کی ترقی کے بعد جدید اصطلاحات کو اردو میں ڈھالا جائے۔ انہوں نے کمپیوٹر اور فون کی بدلتی ٹیکنالوجی اور مشینی ترجمے کے مسائل پر گفتگو کی۔ انہوں نے کہا ترجمے کے لیے علمی معیار ہونا چاہیے۔ مشینی ترجمہ انسان سے مربوط ہوتا ہے۔ صدارتی کلمات پروفیسر اشرف رفیع اور پروفیسر مجید بیدار سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی نے ادا کیے۔ اس اجلاس کی نظامت شعبہ کی اسکالر اسما امروز نے انجام دی اور اظہار تشکر بھی پیش کیا۔

دوروزہ قومی سمینار کا تیسرا اجلاس پروفیسر عبدالحمید اکبر صدر شعبہ اردو خواجہ بندہ نواز یونیورسٹی گلبرگہ پروفیسر سید جمال محمد سابق پرنسپل یو ٹی آر سی آئی ایل سوسلن کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر محمد فہیم الدین احمد مانو نے علمی ترجمہ بنیادی ماخذ ڈاکٹر صابر علی سیوانی نے وضع اصطلاحات مسائل اور امکانات ڈاکٹر ابو شہیم خان مانو نے کلام نظیر پر انگریزی تراجم ڈاکٹر ارشاد احمد خان صدر شعبہ اردو این ایس بی کالج ناندیڑ ڈاکٹر نورالامین صدر شعبہ اردو شارامہاودیالیہ پربھنی نے گوگل ترجمہ اور احتیاط کے حوالے سے محمد مصطفیٰ علی سروری مانو نے صحافتی تراجم مسائل اور امکانات ڈاکٹر رونق عبدالرحمٰن رئیس صدر شعبہ بی این این کالج یونیورسٹی آف بمبئی نے ترجمہ اور روزگار کے مواقع پر پرمغز مقالہ جات پیش کیے۔ اس اجلاس کی نظامت محمد کفیل نے کی اور شکریہ بھی ادا کیا۔ چوتھا اجلاس ڈاکٹر معید جاوید سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی اور پروفیسر عبدالرب استاد صدر شعبہ اردو گلبرگہ یونیورسٹی گلبرگہ کی صدرات میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں شکیلہ گوری خان دھارواڑ کرناٹک نے ڈاکٹر ماہر مقصود کی ترجمہ نگاری ڈاکٹر طیب خرادی نے حضرت سلمان

فارسی کے تراجم قرآنی سورہ فاتحہ ایک جائزہ ڈاکٹر انوپ پول صدر شعبہ اردو بنگلور یونیورسٹی نے فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس میں ترجمے کے کام ڈاکٹر عظمت اللہ ایم وی ایس گورنمنٹ کالج محبوب نگر نے تلگو ناول کا ترجمہ ایک جائزہ ڈاکٹر حمیرہ تسلیم نے منظوم اردو تراجم ایک جائزہ ڈاکٹر شمس الدین نے ترجمہ کی اہمیت اے شبیر پاشاہ نے شائستہ فاخری کے اردو تراجم ڈاکٹر محمد سمیع الدین بیجاپور نے ترجمہ نگاری کی اہمیت موضوعات پر مقالے پیش کیے اس اجلاس کی نظامت نیہا نورین نے انجام دی۔ اور شکریہ ادا کیا۔

سمینار کا پانچواں اجلاس دوسرے دن صبح پروفیسر قاسم علی اور پروفیسر سید سجاد کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے پہلے مقالہ نگار ممتاز مزاح نگار ڈاکٹر عابد معز تھے انہوں نے طبی تراجم اور وضع اصطلاحات پر معلوماتی مقالہ پیش کیا۔ اس اجلاس کے دیگر مقالہ نگار ڈاکٹر امتیاز احمد ڈاکٹر موسیٰ اقبال اردو ترجمہ کی اقسام' ڈاکٹر محمد عبدالقوی عصر حاضر میں اردو ترجمہ کی تہذیبی اہمیت عالمی تناظر میں ڈاکٹر مصباح النظر' محمد آصف علی روبی ٹی وی ترجمہ نگاری اور صحافتی تراجم موضوعات پر مقالے پیش کیے۔

سمینار کا چھٹا اجلاس پروفیسر سجاد حسین یونیورسٹی آف مدراس اور پروفیسر ارجمند آرا دہلی یونیورسٹی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر محمود کاظمی مانو نے شعری ترجموں میں ہیئت کے مسائل' کہکشاں لطیف نے ترجمے کے اصول و نظریات' ڈاکٹر محمد عبدالقدوس' ڈاکٹر گل رعنا نے تراجم کے حوالے سے ترجمہ نگاروں کی خدمات' پروفیسر نکولس نے کیرالا میں اردو تراجم پروفیسر لطیف نے مذہبی تراجم موضوعات پر مقالے پیش کیے۔

سمینار کا ساتواں اجلاس پروفیسر نسیم الدین فریس اور پروفیسر کے وی نکولن سابق صدر شعبہ اردو کیرالا یونیورسٹی کے زیر نگرانی منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر قاری نصیر الدین منشاوی نے ترجمہ کا فن' عبدالرحمٰن داؤدی نے اردو اور تلگو کا ادبی رشتہ ترجمے کے حوالے سے ڈاکٹر محمد یاسر نے ٹامل ناڈو فورٹ سینٹ جارج کالج کی خدمات تراجم کے حوالے سے محمد سیفی عمری نے جامعہ دارالسلام عمر آباد کی ترجمہ نگاری ڈاکٹر اسلم پرویز مانو نے اردو میں ترجمہ کی روایت اور موجودہ صورتحال مانو کے حوالے سے ڈاکٹر محمد سعید الدین وانم باڑی اردو ترجمے کے فروغ میں انیسویں صدی کے اداروں کی خدمات کا ایک تاریخی جائزہ' ڈاکٹر سید سیف اللہ اسسٹنٹ پروفیسر اردو گورنمنٹ ڈگری کالج برائے اناث نلگنڈہ نے اردو میں علمی و سائنسی ترجمے کی روایات اور امکانات سردار ساحل کڈپہ نے اردو ترجمہ نگاری میں دارالترجمہ کا مقام ڈاکٹر میمونہ بیگم اسسٹنٹ پروفیسر اردو گورنمنٹ ڈگری کالج چنچل گوڑہ حیدرآباد نے ترجمے کے مسائل ڈاکٹر رضوانہ بیگم صدر شعبہ اردو گورنمنٹ سٹی کالج حیدرآباد نے ترجمے کی اہمیت اور ضرورت موضوعات پر مقالے پیش کیے۔ اس اجلاس کی نظامت کے فرائض قمر احمد نے انجام دیئے اور انہوں نے شکریہ ادا کیا۔

سمینار میں ریسرچ اسکالرز کے لیے متوازی سیشن کا انعقاد عمل میں آیا جس کی صدارت ڈاکٹر شوکت حیات سابق پروفیسر ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی حیدرآباد اور ڈاکٹر محمد ناظم علی سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج موڑتاڑ نے انجام دی۔ ڈاکٹر عرشیہ جبین شعبہ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد نے بھی اس اجلاس کی نگرانی کی۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر عتیق

سیدہ تبسم۔ناڈکرممبئی

غزل

روایتوں کا یوں دل میں خیال رکھا ہے
کہ اپنے سر پر دوپٹے کو ڈال رکھا ہے

میرے سینے میں رہ رہ کے ٹیس اٹھتی ہے
تمہارے درد کو سینے میں پال رکھا ہے

وہ رو پڑے گا اگر میں نے اس سے پوچھ لیا
بچا کے ذہن میں ایسا سوال رکھا ہے

کبھی جو اس نے محبت سے مجھ کو بھیجا تھا
ابھی تلک وہ حفاظت سے شال رکھا ہے

یہ دنیا تجھکوتبسم نہیں جینے دیتی
ترے خدا ہی نے تجھ کو سنبھال رکھا ہے

اجل نے فن ترجمہ نگاری' محمد شاکر نے ڈاکٹر رووف خیر کی ترجمہ نگاری'شبلی آزاد مانو نے قدیم داستانیں ترجمہ یا ماخوذ جاوید رسول نے عصر حاضر میں اردو ترجمہ نگاری اہمیت مسائل اور امکانات اعجاز احمد مانو نے فورٹ سینٹ جارج کالج اور ترجمہ نگاری نیہا نورین نے مشینی ترجمہ فوائد اور حل شرمین گھامڑ نلگنڈوی کا اردو ترجمہ لوکا گیتالو' قاسم بدر تراجم کے میدان مین سر سید احمد خان کی خدمات گلنار خاتون امجد حیدرآبادی کی ترجمہ نگاری گلستان امجد کے حوالے سے'شاہ میر عرفات سرکاری ونجی اداروں میں اردو تراجم کے موضوعات پر مقالے پیش کیے اس اجلاس کی نظامت عرفات نے کی۔

اختتامی اجلاس میں ڈاکٹر محمد ناظم علی' ڈاکٹر محمد شوکت حیات' ارجمند آرا پروفیسر جمالی' پروفیسر ایس اے شکور' ڈاکٹر محمد کاشف' پروفیسر فضل اللہ مکرم نے دوروزہ قومی سمینار کے مباحث اور نتائج اور امکانات کا جائزہ پیش کیا۔ پروفیسر نسیم الدین فریس نے کہا کہ اس سمینار میں سو مقالے پیش کیے گئے جو کسی اور سمینار میں نہیں پیش ہوئے۔ سمینار جیسا ماحول نظر آیا۔ ہر اعتبار سے یہ ایک کامیاب سمینار رہا۔ تاریخی دستاویز بن گیا۔ اس سمینار کی کامیابی کے لیے شعبہ اردو کا تدریسی و غیر تدریسی عملہ قابل مبارکباد ہے۔ ڈاکٹر عبدالرب منظر نے شکریہ ادا کیا۔ وائس چانسلر قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے شعبہ اردو کے تحت اس اہم سمینار کے انعقاد کی اجازت دی۔

اس سمینار میں ترجمہ کے عمومی مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے صدر اور مہمانان خصوصی نے کہا کہ ترجمے کے ضمن میں جدید اصطلاحات پر کام ہونا چاہیے۔ شاعری کا ترجمہ بہت مشکل ہے۔ کی سی ہے کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ دو روزہ قومی سمینار میں شعبہ اردو کے اساتذہ ڈاکٹر نشاط ڈاکٹر اے آر منظر ڈاکٹر کاشف ڈاکٹر عرشیہ جبین اور ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے سرپرست سمینار پروفیسر فضل اللہ مکرم صاحب کے ساتھ مل کر سمینار کو کامیاب بنانے کی کوشش کی۔ مہمانوں اور شرکا کے لیے ضیافت اور یونیورسٹی گیسٹ ہاؤز میں قیام و طعام کا اچھا انتظام کیا گیا۔ اختتامی اجلاس میں سبھی مہمانوں کو مومنٹو پیش کیے گیے اور مقالہ نگاروں کو سند دی گئی۔ امید کی جاتی ہے کہ اس سمینار میں پیش کردہ مقالوں کو کتابی شکل دی جائے گی تاکہ سمینار میں پیش کردہ مباحث سے مستقبل میں اردو ترجمہ نگاری کو نئی جہت عطا ہو۔

امداد الحق بختیار قاسمی۔رئیس تحریر عربی مجلہ ''الصحوۃ الاسلامیۃ'' واستاذ حدیث وعربی ادب دار العلوم حیدرآباد

نیا تعلیمی سال

مفید نتائج کے لیے چند مشورے

شوال اور ذی قعدہ کے مہینہ سے مدارس اسلامیہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوتا ہے، ملک کے طول وعرض سے طلبہ حصول علم کے لیے دور دراز واقع معروف اور معیاری اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسفار کرتے ہیں، وطن سے دوری، والدین کی جدائی اور اپنوں کا فراق سب کچھ برداشت کرتے ہیں؛ تاکہ وہ قرآن وحدیث کے علوم کو بہتر انداز سے حاصل کرسکیں، اعلیٰ صلاحیت کے حامل عالم دین بن سکیں اور امت مسلمہ کے درمیان رہ کر قرآن وسنت کی نشر واشاعت میں فعال کردار ادا کرسکیں، ایسے تمام طلبہ تبریک وتہنیت کے مستحق ہیں، رسول اللہ ﷺ کی زبان حق بیان سے ان کے لیے متعدد بشارتیں منقول ہیں؛ چنانچہ وہ اللہ کے دین کی سربلندی، کتاب وسنت کی خدمت، رسول اللہ ﷺ کے مشن کا حصہ بننے اور امت مسلمہ کی اسلامی رہبری کے لیے اپنی زندگی وقف کردیتے ہیں اور اس راہ کی تمام تر صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں۔

ایک ایسے وقت میں جب کہ ہر انسان مادی فائدہ کو سامنے رکھ کر کوئی بھی کام کرتا ہے، وہ اپنی ہر محنت کا دنیاوی بدلہ چاہتا ہے اور اپنے ہر عمل کا نقد معاوضہ طلب کرتا ہے، یہاں ہر کام؛ حتی کہ تعلیم بھی پیشہ وارانہ (Professiona) ہوچکی ہے، اس مادی دور میں دنیا کے بجائے آخرت کے وعدوں پر اپنی زندگی وقف کردینا، ایسی تعلیم میں عمر عزیز کا تقریباً آدھا حصہ گزار دینا، جس میں نہ نوکری کی گارنٹی (Placement)، نہ اعلیٰ تنخواہ کی امید اور نہ دنیا کے اعتبار سے روشن مستقبل کی ضمانت، یہ ایمانی قوت کی مضبوط دلیل، بندگی کا اعلیٰ نمونہ اور سخت ترین مجاہدہ ہے۔

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

لیکن ہمارے بہت سے طلبہ عزیز صحیح رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے اپنی محنت اور کوششوں کا مناسب نتیجہ نہیں پاتے، علمی اعتبار سے وہ صلاحیت کے مطلوبہ معیار تک رسائی حاصل کرنے میں ناکام رہ جاتے ہیں، پھر وہ اپنے میدان میں استناد اور اعتبار حاصل نہ کرنے کی وجہ سے پریشانیوں کا سامنا کرتے ہیں، لہٰذا درج ذیل تحریر میں چند گزارشات ان کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں، امید کہ تعلیمی دورانیہ میں وہ ان سے مستفید ہوکر کچھ بہتر نتائج حاصل کرسکیں۔

تصحیح نیت

ہر کام کے پیچھے انسان کی کوئی نہ کوئی نیت ضرور

ہوتی ہے، بلا مقصد انسان کوئی کام نہیں کرتا؛ اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے، تو وہ اپنی زندگی تباہ و برباد کر رہا ہے، اپنے آپ کے ساتھ دھوکہ کر رہا ہے، دینی مدارس کے طلبہ کی کیا نیت ہونی چاہیے اور علم دین سیکھنے کا کیا مقصد ہونا چاہیے؟ ہر طالب علم کو سب سے پہلے اپنی نیت اور مقصد کا رخ ضرور متعین کرنا چاہیے۔ اور وہ نیت وہی ہو جو رسول اللہ ﷺ کی تھی، یعنی: اللہ تعالی کی رضا اور اسلام کی سربلندی۔ اساس اور بنیاد کے طور پر طالب علم کی زندگی کے یہ دو ہی مقصد ہونے چاہیے اور اس کی تمام تر محنتیں، کوششیں اور مجاہدے اسی محور کے اردگرد گھومنی چاہیے۔

بلند نگاہی

طلبہ کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے، جن سے اگر معلوم کیا جائے کہ آپ کیوں پڑھ رہے رہیں اور کیا بننا چاہتے ہیں؟ تو بعض اوقات ان کا جواب سن کر بڑی حیرت ہوتی ہے؛ کیوں کہ مقاصد بڑے معمولی ہوتے ہیں، جیسے صرف امامت، مؤذنی، ٹیوشن، مکتب کی تعلیم، فلاں شہر جا کر کوئی معمولی جگہ تلاش کرنا وغیر وغیرہ۔ واضح رہیکہ امامت وغیرہ اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی معمولی کام نہیں؛ لیکن ایک طالب کا مطمح نظر صرف یہی نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ اس میدان میں جو نمایاں ترین نام ہو اور معزز ترین عہدہ ہو، جیسے شیخ الحدیث بننا، یا فلاں بڑے عالم، مفتی، محدث، مفسر یا داعی کی طرح بننا، اس طرح کا بلند خواب ہونا چاہیے۔

کیوں کہ جو انسان بلند خواب دیکھتا ہے، اس کی کوششیں بھی بلند ہوتی ہیں اور اللہ کے حکم سے اس کا خواب شرمندہ تعبیر بھی ہوتا ہے اور پھر وہ ایک نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

توحید مقصد

مختلف علاقوں اور مدارس سے آنے والے طلبہ جب دار العلوم دیوبند، ندوۃ العلماء اور دیگر مرکزی اداروں میں داخلہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں، اور یہاں ادارے کے باہر اور کچھ اندر بھی بہت سی تعلیمی اور غیر تعلیمی سرگرمیاں ان کے مشاہدہ میں آتی ہیں، تو وہ ان سے مرعوب ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ اپنے آپ کو منسلک کرنے کی کوشش کرتے ہیں؛ جب کہ ان میں سے بعض سرگرمیاں تو انتہائی نقصان دہ ہوتی ہیں اور بعض جزوی طور پر فائدہ مند ہوتی ہیں؛ لیکن ان کی تعلیم میں وہ حارج ضرور ہوتی ہیں؛ جیسے بعض طلبہ کو نصاب سے الگ بھی انگریزی پڑھنے کا شوق ہوتا ہے، بعض کو کمپیوٹر سیکھنے کی طلب ہوتی ہے، بعض جسمانی ورزش کرانے اور جم وغیرہ میں دل چسپی لیتے ہیں، بعض ہفتہ واری پروگراموں میں ذوق وشوق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ان میں سے کوئی بھی سرگرمی غیر مفید نہیں؛ لیکن جس مقصد کے لیے طالب علم کا دار العلوم میں داخلہ ہوا ہے، اگر اسے پس پشت، نظر انداز یا کم توجہ دے کر ان سرگرمیوں میں حصہ لیا جائے، یا انہیں ہی مقصود بنالیا جائے، تو یہ اس طالب علم کے مستقبل کے لیے بہت نقصان دہ ہوگا، طالب علم جس مقصد کے لیے کسی ادارہ میں داخل ہوا ہے، سب سے زیادہ ترکیز اس پر ہونی چاہیے، بلکہ صرف اسی پر توجہ ہو تو اس کے لیے زیادہ مناسب ہوگا اور عملی میدان میں وہ زیادہ کامیاب ثابت ہوگا، باقی چیزوں کو بھی ایک ترتیب کے ساتھ سیکھنا چاہیے، لیکن خلط مبحث یا تکثیر مقصد سے بچنا چاہیے۔

علمی مہارت

جس نصاب میں اور کورس میں ہم نے داخلہ لیا

ہے، اس میں مہارت پیدا کرنا، ہر طالب علم کا اولین مقصد ہونا چاہیے اور اس کے لیے ضروری اصول اور مطلوبہ جدوجہد ہے، اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے، درنظامی میں داخل طلبہ تدریجی طور پر کئی فنون اور علوم کو حاصل کرتے ہیں، سب سے پہلے عربی زبان وادب کا ایک وافر حصہ انہیں پڑھایا جاتا ہے اور حتی الامکان کوشش یہ ہوتی ہے کہ طالب علم کے اندر اس حوالے سے اعلی استعداد پیدا ہوجائے اور نظریاتی طور پر اور حل عبارت کی حد تک اس میں کامیابی بھی حاصل ہوتی ہے؛ لیکن تحریر، تکلم اور سماعت کے اعتبار سے ہمارا نتیجہ شاید پانچ فیصد سے آگے نہیں جاتا، جب کہ انہی تینوں طریقے سے ایک طالب علم میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے، جو اس کی تعلیمی زندگی میں بڑا موثر کردار ادا کرتی ہے اور جس کے بعد وہ ترقیات کی منزلیں طے کرتا جاتا ہے۔

پھر بعد کے مدارج جیسے فقہ، تفسیر اور حدیث میں بھی اسے غیر معمولی دل چسپی حاصل ہوتی ہے اور وہ پورے اعتماد کے ساتھ ان فنون کو حاصل کرتا ہے اور اچھی استعداد اپنے اندر محسوس کرتا ہے، لہٰذا قرائت، فہم، تکلم، تحریر اور سماعت ان پانچوں جہتوں سے ایک طالب علم میں عربی زبان کی اعلی استعداد پیدا ہونا بے حد ضروری ہے؛ تاکہ وہ صحیح انداز سے کتاب وسنت کا علم حاصل کرسکے؛ جو مقصود ہے، اور ان دونوں میں عملی مہارت پیدا کرنا ہی ہدف اور نشانہ ہے۔

علمی مہارت کے ذیل کے سال کے شروع میں اساتذہ کی جانب سے کی جانے والی ہدایات کو بہت اہمیت دی جانی چاہیے اور ان پر ہر حال میں کمربستہ رہنا چاہیے۔

کتابی صلاحیت پیدا کرنے کا ہنر

کسی بھی فن یا کتاب کو بہتر انداز سے سمجھنے کے لیے چند امور کی پابندی بے حد ضروری ہے: (1) اپنی طاقت اور صلاحیت کی حد تک اگلے سبق کا مطالعہ کرکے درس گاہ میں آئیں اور پھر ہمارے مطالعہ سے ہٹ کر استاذ کی طرف سے جو تشریح آئے اسے نوٹ کریں۔ (2) درس گاہ استاذ کی تشریح کے وقت اپنے تمام تر توجہ کو اس طرح سمیٹ لیں اور استاذ کی تقریر کی طرف اس طرح متوجہ ہوں جیسے حفظ کرنے والا نابینا، یاد کرانے والے کی آواز کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اسے اپنے دماغ میں پیوست کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ (3) استاذ کے جانے کے بعد فوراً پورے سبق پر ایک نگاہ دوڑانی چاہیے اور استاذ کی تشریح کے استحضار کی کوشش کرنی چاہیے۔

(4) کسی بھی فن کی پہلی کتاب میں غیر معمولی محنت کریں اور اسے اچھی طرح سمجھ لیں اور یاد کرلیں، اس سے اس فن کی بعد والی کتابیں بہت آسان معلوم ہوں گی اور پڑھنے میں بھی حظ آئے گا۔ (5) اسی طرح ہر کتاب کے ابتدائی اسباق میں کچھ زیادہ محنت کرنی چاہیے، جب کتاب کے ابتدائی اسباق اچھی طرح حل ہو جائیں گے تو اگلے اسباق میں دشواری محسوس نہیں ہوگی۔ (6) ہر کتاب استاذ کے بعد از خود حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، ساتھی کے تکرار پر تکیہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ کوشش یہ رہے کہ آپ اپنے دیگر کمزور ساتھیوں کو تکرار کرائیں۔

عملی مشق اور تعلقات کا دائرہ

اگر کوئی طالب علم علم دین حاصل کرتا ہے؛ لیکن اعمال، اخلاق، معاملات اور صحیح تعلقات کے اعتبار سے اس کے حالات غیر مطمئن ہیں، تو وہ خسر الدنیا والاخرۃ کا مصداق ہے؛ کسی درجہ میں اس کا تو امکان ہے کہ اس کے اندر کتابی صلاحیت پیدا ہوجائے؛ لیکن وہ صلاحیت کسی کام کی نہیں

ہوگی، اس سے نہ اسے فائدہ حاصل ہوگا، نہ کسی اور کو، الا ماشاء اللہ؛ لہٰذا ہر طالب علم کو عمل، اخلاق اور معاملات کے اعتبار سے بہت محتاط رہنا نہایت ضروری ہے؛ بلکہ ان چیزوں کی اعلیٰ کوالٹی اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے؛ تاکہ وہ ایک کامیاب اور بہترین دینی رہنما بن قوم وملت کی رہبری کا فریضہ انجام دے سکے۔

نیز تعلیمی دورانیے میں اپنے تعلقات بہت محدود اور بہت چنندہ رکھنے چاہیے، اپنی جماعت کے اعلیٰ دماغ، اچھی صلاحیت، جفاکش، محنتی اور نیک طبیعت کے منتخب طلبہ کے ساتھ ہی تعلقات استوار رکھنے چاہیے؛ تاکہ وہ اس کی صلاحیت سازی کے عمل میں معین ومددگار بن سکیں، کرکٹ دیکھنے والے، موبائل کے رسیا اور ہوٹلنگ کرنے والے طلبہ کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے۔ اور اپنے پاس ملٹی میڈیا موبائل رکھنا تو سم قاتل ہے۔

اساتذہ سے تعلقات

اس دور میں یہ چیز وبائی شکل اختیار کرچکی ہیکہ طلبہ درس گاہ کی حد تک اساتذہ سے منسلک رہتے ہیں، ذاتی طور پر ان سے مشورے لینا، رہنمائی حاصل کرنا، ان کی خدمت کرنا، ان کی عملی زندگی کو بغور دیکھنا، ان کی زیر تربیت رہنا وغیرہ وغیرہ ان سے طلبہ کی ایک بڑی تعداد دور رہنا پسند کرتی ہے۔ حالانکہ یہ ان کے لیے بہت نقصان دہ ہے، طلبہ کو اساتذہ سے اسی طرح مربوط رہنا چاہیے جیسے وائر کو ٹرانسفر سے مربوط رہنا ضروری ہے۔

یہ چند متفرق چیزیں آپ کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں، امید کہ اس سے ہمارے عزیز طلبہ کو کچھ فائدہ ہو اور ہمارے لیے صدقہ جاریہ ہوسکیں۔ وللہ الحمد فی الاول والآخر۔

شاعر خلیج جلیل نظامی۔حیدرآباد دکن

نعت رسول مقبول ﷺ

خود کو نعلین نبی (ص) سے جو گھٹائے ہوئے ہیں
تاجداروں کو بھی وہ دھول چٹائے ہوئے ہیں

چاند کو جن کے اشارے نے کیا دو ٹکڑے
گردنیں ان کے لیے ہم بھی کٹائے ہوئے ہیں

بے بصر آنکھ کو والشمس کا نعرہ دے کر
سبز گنبد سے نظر ہم بھی سٹائے ہوئے ہیں

ائے شب ماہ مکمل تو منا خیر اپنی
روئے انور سے لٹوں کو وہ ہٹائے ہوئے ہیں

ان کی دہلیز تلک وہ بھی پہنچ جائیں گے
جو ہوائے رہ طیبہ کو پٹائے ہوئے ہیں

مشک وعنبر کی مہک ان کے مسامات میں ہے
خاک طیبہ کو بدن سے جو اٹائے ہوئے ہیں

پاؤں جب قبر میں ہوں نعت لبوں پر ہو جلیل
یہ دعا ہم دل مضطر کو رٹائے ہوئے ہیں

رھبر پرتاپ گڑھی۔اُترپردیش

غزل

اعتمادِ دوستی کا امتحاں ہے ان دنوں
اے مرے دم ساز و ہمدم تو کہاں ہے ان دنوں

جو ہمارے ملک میں شعلہ فشاں ہے ان دنوں
ہر بشر بے زار اس سے بے گماں ہے ان دنوں

باد بانی زندگی کی ناو سے ہے نا بلد
باد باں تو نام کو ہی باد باں ہے ان دنوں

خوش خیالی چھوڑ دو بیدار ہو جاؤ میاں!
زعم باطل کے مقابل میں اذاں ہے ان دنوں

اے امیر شہر! قصر خاص سے باہر کو آ
یاد رکھ خطرے میں تیرا بھی مکاں ہے ان دنوں

گھر سے جب نکلو تو کہہ لو قل ھواللہ احد
راستے میں ہر جگہ خطرے میں جاں ہے ان دنوں

اس فلک اور اس زمیں میں بھی ہے اب بے گانہ پن
صرف تیرا غم ہی ہم سائباں ہے ان دنوں

امن کے پیغام میں ہے امن کا پوشیدہ راز
ہر طرف ظلم و تعصب کا دھواں ہے ان دنوں

کل بھی حافظ تھا خدا اب بھی محافظ ہے وہی
غم نہیں رہبر! جو یہ آہ و فغاں ہے ان دنوں

جلسہ ختم صحیح بخاری شریف وتقسیم اسناد

MADARSA FATIMA LILBNAAT SEMRIYAWA BAZAR SANKABIRBAGAR,JALSA KHATME ...

مدرسہ فاطمہ للبنات سمریاواں بلاک سنت کبیر نگر یوپی میں 17 مئی 2033 بعد نماز مغرب تا 30:11 شب ایک عظیم الشان جلسہ تکمیل صحیح بخاری شریف وتقسیم اسناد منعقد ہوا صدارت کے فرائض نمونہ اسلاف حضرت مولانا عبد الھادی صاحب مہتمم مدرسہ دینیہ مونڈہ ڈیہہ اور نظامت مولانا غفران احمد ندوی صدر مدرس مدرسہ تعلیم القرآن سمریاواں بلاک نے فرمائی۔مدرسہ فاطمہ للبنات کی طالبات کے تعلیمی مظاہرہ کے بعد مولانا عبد اللہ قاسمی،مولانا ارشادالحق قاسمی مدنی اعظم گڑھ،مولانا قاری عبادالرحمٰن قاسمی ممبئی،مولانا ڈاکٹر مفتی محمد محامد ہلال قاسمی اعظمی ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد کے پرمغز بیانات ہوئے۔مشہور نعت خواں شعراء اسعد بستوی اور اطہر فیضی بستوی نے نعت رسول سے عاشقان مصطفیٰ کے سینوں کو گرمایا اور خوب داد تحسین حاصل کیا۔اخیر میں مفتی ابورشید شکیل احمد خان قاسمی نے صحیح البخاری کے آخری باب کا درس دیا۔اس علاقہ میں ان کا یہ پہلا درس تھا،الحمدللہ اسٹیج پر تشریف فرما علماء نیوصلہ افزائی فرمائی اور سامعین نے بھی بھرپور استفادہ کیا۔اس جلسہ میں محترم وکیل احمد پردھان کے فرزند کا نکاح مسنون منعقد ہوا۔مدرسہ کے بانی وناظم،مولانا محمد اکرم قاسمی مدظلہ نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا اور صدر جلسہ کی دعاء پر جلسہ کا اختتام ہوا۔اس جلسہ میں مقامی علماء دانشوران اور معززین اور کثیر تعداد میں اولیا طالبات اور عامۃ المسلمین نے شرکت فرمائی۔

جہانِ شبلی کی نئی جہت: اثراتِ شبلی اول دوم

ماہنامہ صدائے شبلی میں ہر ماہ ادارے کی طرف سے کتاب پر تبصرہ کیا جائے گا، اس لئے مصنفین، مولفین اور مرتبین سے گزارش ہے کہ وہ تبصرے کے لئے دوعدد کتابیں ضرور ارسال کریں۔ (ادارہ)

مبصر: **اسامہ ارشاد معروفی قاسمی**۔ پورہ معروف کرتھی جعفر پور ضلع مئو، یوپی

راقم الحروف کو جن مصنفین کی کتابیں یا ان کے کارناموں نے متاثر کیا ہے ان میں ایک اہم نام ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا بھی ہے۔ موصوف سے باقاعدہ میری کوئی ملاقات تو نہیں ہے البتہ میں نے نومبر ۲۰۱۴ء میں دار المصنفین کی طرف سے ہونے والے ''شبلی صدی بین الاقوامی سیمینار'' میں پہلی بار انھیں دیکھا تھا اور پھر بات آئی گئی ہوگئی؛ لیکن ادھر ۲۰۲۱ء میں ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب ''قد اور سائے'' میرے ہاتھ لگی اور مطالعہ کے بعد میں نے اس پر تبصرہ بھی کیا پھر اس کے بعد ڈاکٹر صاحب سے بات چیت اور علمی تعلقات میں اضافہ ہوتا رہا اور ان کی مزید دیگر کتابیں میرے مطالعے میں آتی رہیں بطور خاص علامہ شبلی کے حوالے سے ان کی بہت سی کتابوں کا بھی میں نے مطالعہ کیا اور جو کچھ میں نے محسوس کیا اسے قلم بند کرنے کا بھی اہتمام کیا۔ اور الحمد للہ اب تک ڈاکٹر صاحب کی ۷/ کتابوں پر راقم نے نقد و تبصرے بھی کیے ہیں جسے میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔ موصوف نے اپنی دو درجن کے قریب کتابیں بھی عنایت کی ہیں یہ ان کی شفقت و محبت ہے اس کے لیے میں محترم کا شکر گزار بھی ہوں۔ فی الحال ان کی نئی تصنیف ''اثراتِ شبلی'' اول دوم پر تبصرہ پیش ہے۔

''اثراتِ شبلی'' کی دونوں جلدوں کے مطالعہ سے ایک بات تو بالکل واضح ہے کہ یہ دونوں جلدیں بلا مبالغہ سیکڑوں کتابوں کے مطالعے کا ثمرہ اور ماحصل ہیں، ان کو تیار کرنے میں ڈاکٹر الیاس الاعظمی کی محنت و لگن اور عرق ریزی صاف طور پر دکھائی دیتی ہے، اس سلسلے میں وہ خود رقم طراز ہیں:

> ''ان احوال و واقعات کا احاطہ اگرچہ نہایت مشکل اور صبر آزما کام تھا، تاہم راقم الحروف نے تلاش و تفحص کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔'' (ص:۱۳)

''اثراتِ شبلی'' کی اہمیت و افادیت اس لیے بھی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ ان میں جن اہل قلم یا مصنفین کی کتابوں سے دیباچوں کا اقتباس یا انتخاب کیا گیا ہے ان کتابوں کے تعارف کے ساتھ ساتھ مصنفین کا بھی تعارف پیش کیا گیا ہے اور یہ ''اثراتِ شبلی'' کی بڑی خوبی ہے۔ دوسرے یہ کہ علامہ شبلی سے معاندانہ رویہ رکھنے والے اہل قلم کے دیباچوں کا مطالعہ بھی شامل ہے۔ بہ طور خاص بابائے اردو مولوی عبدالحق کے ان تمام دیباچوں کا مطالعہ و جائزہ بھی اس کتاب میں آگیا ہے جن میں انھوں نے علامہ شبلی کی تنقید یا تنقیص کی تھی۔ ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے کتاب میں ان سب کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ پیش کر کے حقائق کو واضح کیا ہے اور جہانِ شبلی میں اضافہ و نئی جہت پیدا کی ہے۔ ''اثراتِ شبلی'' کی مزید خصوصیات کے

بارے میں مصنف جلد اول کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''علامہ شبلی سے متعلق اس کتاب میں جن اندراجات کا جائزہ شامل ہے، ان کا تعلق علم وادب کے مختلف موضوعات سے ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ گذشتہ صدی میں علامہ شبلی کی علمی وادبی اور تاریخی تصانیف اور ان کی فکر ونظر کا جادو کس کس کے سر چڑھ کر بولا اور اس کے کیسے کیسے دیرپا اثرات مرتب ہوئے۔ اس کے بہت سے اہم اور نادر واقعات اس کتاب میں آگئے ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اور ڈاکٹر ظفر حسین خاں کا موضوع فلسفہ تھا۔ علامہ شبلی سے دونوں کس طرح اور کس درجہ متاثر ہوئے اور پھر کیسے کیسے نمایاں کارنامے انجام دئے، اس کی ایک جھلک بھی اس کتاب میں آگئی ہے۔

علامہ شبلی کے بعض احباب بالخصوص تلامذہ کے دیباچوں سے افکار واثرات شبلی کے متعدد اہم اور نئے مباحث سامنے آتے ہیں، جن کا ذکر شاید کہیں اور نہ ملے، ان سے علامہ شبلی کے مستقبل کے بعض علمی منصوبوں کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔ عصر حاضر میں ان کی معنویت پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے، جس سے علامہ شبلی کے بلند مقام تحقیق وتدقیق کی حیثیت بھی سامنے آجاتی ہے۔ اردو کے تمام ممتاز نقاد چاہے وہ تاثراتی تنقید کے نقاد ہوں یا جمالیاتی، عملی، یا نظری تنقید کے نقاد ہوں، اس کتاب میں ان سب کے خیالات کی ایک کہکشاں آپ کو دکھائی دے گی، اس سے یہ تحقیقی مقالہ نہ صرف اثرات شبلی بلکہ افکار شبلی کی بھی ایک کتاب ہوگیا ہے۔'' (ص:۱۳-۱۴)

''اثرات شبلی'' کی دونوں جلدوں میں کل ۲۰۹/ شخصیات کے دیباچوں اور مقدموں کا مطالعہ و جائزہ پیش کیا گیا۔ پہلی جلد میں ۱۰۵/ اور دوسری جلد میں ۱۰۴/ اہل قلم و مصنفین شامل ہیں۔ جلد اول میں نامور شخصیات کے علامہ شبلی اور ان کے افکار سے متاثر ہونے کی جو داستان قلم بند کی گئی ہے۔ وہ عہد سرسید سے علامہ شبلی کی وفات (۱۸/نومبر ۱۹۱۴ء) تک کی علمی وتعلیمی اور ادبی وتنقیدی کاوشوں کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اسی طرح کتاب کی دوسری جلد میں ۱۹۱۴ء سے عہد حاضر تک کی نامور علمی وادبی شخصیات کے علامہ شبلی سے متاثر ہونے کی داستان ہے۔ جلد ثانی کی خصوصیات اور اس کی اہمیت وافادیت کے حوالے سے دیباچہ میں ڈاکٹر الیاس الاعظمی لکھتے ہیں:

''یہ داستان اپنی نوعیت اور افادیت کے لحاظ سے حصہ اول سے کم نہیں بلکہ بعض حیثیتوں سے بڑھی ہوئی ہے۔ چونکہ اس عہد سے ہم ادبی وثقافتی اعتبار سے زیادہ قریب ہیں اور اس کے اکثر واقعات اور تاثرات قریب العہد ہونے کی بنا پر دل سے بھی زیادہ قریب معلوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پڑھنے والوں کو یہ زیادہ متاثر کرتے ہیں۔

اثرات شبلی کی یہ داستان دراصل ہماری گذشتہ پون صدی کی تہذیبی اور تمدنی تاریخ کا حصہ ہے۔ اس میں ہماری علمی تاریخ کے ساتھ ادبی وتہذیبی تاریخ بھی شامل ہے۔ اس میں ایک بڑا حصہ ملکی سیاسیات کا بھی آگیا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ علامہ شبلی اور ان کی فکر ونظر کس درجہ مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں اس کا پرتو

صاف نظر آتا ہے اور ہر بڑی اور ممتاز شخصیت اس کے ہالہ کے درمیان نظر آتی ہے۔ یہی مطالعہ و تحقیق اس کتاب کا ماحصل ہے۔'' (ص:۱۱)

ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے کتاب کی دونوں جلدوں میں اثرات شبلی اور متعلقات شبلی کو ایک نئے زاویے اور نظریے سے دیکھنے کی کوشش کی ہے اور انھیں تحقیق کی کسوٹی پر جانچ پرکھ کر ایک نیا مرقع تیار کیا ہے جو بہر حال جہان شبلی میں نیا اضافہ ہے۔ کتاب کی پہلی جلد ۲۷۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت ۴۰۰ر روپئے ہے، اشاعت ۲۰۲۲ء کی ہے۔ اسی طرح جلد دوم بھی اتنے ہی صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت بھی برابر ہے۔ کتاب مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ جامع مسجد دہلی اور دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

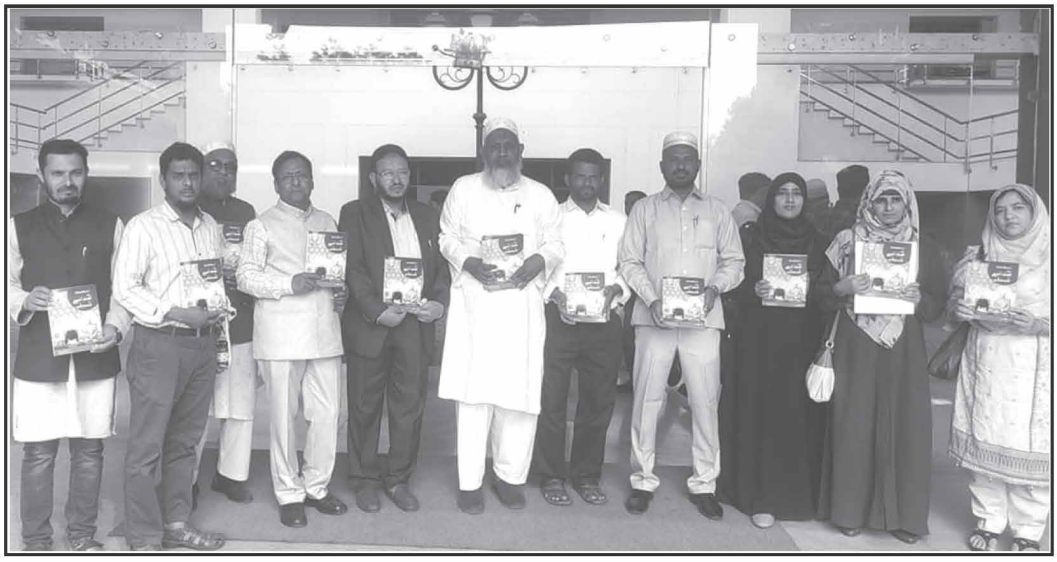

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد، یونیورسٹی آف حیدرآباد میں اہل علم کے ہاتھوں

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning: 9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیرٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

Regd. No. 180/2016

مسجدِ الٰہی کی تعمیر کے لئے تعاون کی اپیل

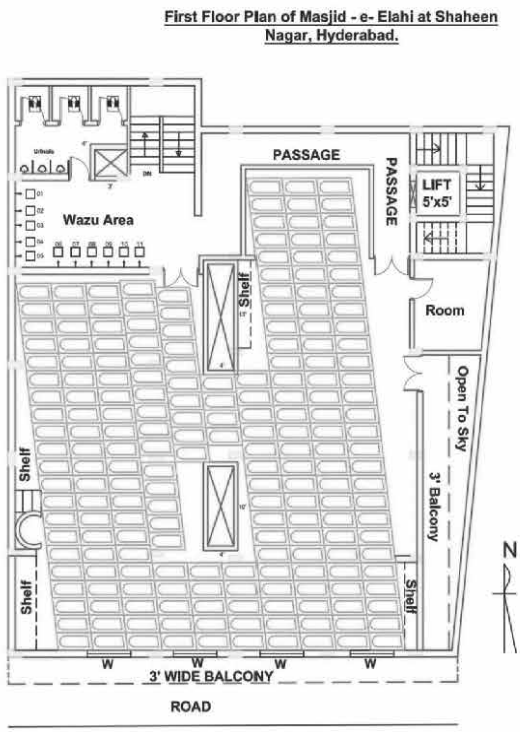

مسجدِ الٰہی زیرِ انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیرٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام شروع ہورہا ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیّرہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کردی ہے، اللہ تعالیٰ مخیّرہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔ مسجدِ الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیرِ انتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔ مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے، اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کی تعمیری کام میں ایک مصلیٰ=/13000 روپئے، ایک اسکوائر فٹ=/830 روپئے نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کرکے حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔ جزاک اللہ أحسن الجزاء.

Bank Name : IDBI **A/c Number :** 1327104000065876
A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar
G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد